مطالعہ ادب

ماحولیاتی سائنس

مکمل نوٹس معہ نصاب اور ماڈل پیپر

سال دوم سمسٹر چہارم

2016-17

از ڈاکٹر محمد اسلم فاروقی

صدر شعبہ اردو گری راج گورنمنٹ کالج نظام آباد

GIRRAJ GOVT COLLEGE NIZAMABAD

(AUTONOMOUS NAAC RE ACCREDITED WITH B)

REVISED SYLLABUS FOR URDU SECOND LANGUAGE

BA.B.Com& B.Sc SECOND YEAR 2016-17

SEMESTER- IV MODULE IV

(Prose and Poetry)

یونٹ1۔	1۔	رباعیات انیسؔ	۔1۔ پرساں کوئی کب جوہر ذاتی کا ہے	از: میر انیسؔ
			2۔ دنیا بھی عجب سرائے فانی دیکھی	
	2۔	رباعیات حالیؔ	1۔ دنیائے دنی کو نقش فانی سمجھو	از: الطاف حسین حالیؔ
			2۔ یارو نہیں وقت آرام کا یہ	
یونٹ2۔	1۔	رباعیات رواںؔ	1۔افلاس اچھا نہ فکر دولت اچھی	از: جگت لال رواںؔ
			2۔ آزاد ضمیر ہوا، فقیری یہ ہے	
	2۔	رباعیات امجدؔ	1۔کوشش ہے اپنی تمام ستائش کے لئے	از: امجدؔ حیدرآبادی
			2۔ کم ظرف اگر دولت و زر پاتا ہے	
یونٹ3۔	1۔	خطوط	مکتوبات صفیہ	از: صفیہ اختر
یونٹ4۔	1۔	مضمون	ضلع نظام آباد کی اردو صحافت	از: رفیق شاہی
یونٹ5۔	1۔	طنز و مزاح۔	مردہ بدست زندہ۔	از: مرزا فرحت اللہ بیگ
	2۔	مضمون نگاری	بیرون نصاب موضوع پر	

خارج کردہ نصاب: مضمون۔ قدیم اردو میں نیچرل شاعری۔از: نصیر الدین ہاشمی

شامل کردہ نصاب: مضمون۔ ضلع نظام آباد کی اردو صحافت۔از۔ رفیق شاہی

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

GIRRAJ GOVT COLLEGE NIZAMABAD

(AUTONOMOUS NAAC RE ACCREDITED WITH B)

MODEL PAPER FOR URDU SECOND LANGUAGE

BA.B.Com& B.Sc SECOND YEAR 2016-17

SEMESTER- IV

(Prose and Poetry)

Time: 2 -1/2 hrs　　　　　　　　　　　　　　　　Max Marks : 70

----(حصہ الف)----PART A

ذیل میں سے تمام سوالات کے جوابات مطلوب ہیں۔ ہر سوال کے دو نشان مقرر ہیں۔ **5x2=10**

1۔ اردو کے مشہور رباعی گو شعرا کے نام لکھیے۔

2۔ خط کی تعریف بیان کیجیے۔

3۔ میر انیسؔ کے حالات زندگی لکھیے۔

4۔ جنازے کے ساتھ جانے والے لوگ کس قسم کے ہوتے ہیں۔

5۔ امجدؔ حیدرآبادی کا تعارف بیان کیجیے۔

----(حصہ ب)----PART B

ذیل میں سے کوئی پانچ سوالات کے جوابات ایک پیراگراف میں لکھیں۔ ہر سوال کے 4 نشانات مقرر ہیں۔ **5x4=20**

1۔ صفیہ اختر کے حالات لکھیے۔

2۔ امجدؔ کی رباعی کا مرکزی خیال بیان کیجیے۔

3۔ جگت موہن لال رواںؔ کا تعارف بیان کیجیے۔

4۔ مرزا فرحت اللہ بیگ کی تصانیف کے بارے میں لکھیے۔

5۔ موجودہ دور کے قبرستان کا منظر بیان کیجیے

6۔ میر انیسؔ کا تعارف بیان کیجیے۔

7۔ صفیہ اختر کے شوہر کے بارے میں لکھیے

8۔ مضمون نویسی کی اہم شرائط کیا ہیں۔

----(حصہ ج)----PART C

ذیل میں سے تمام سوالات کے جوابات مطلوب ہیں۔ ہر سوال کے 8 نشانات مقرر ہیں۔ **5x8=40**

1۔ رباعی کی تعریف کیجیے اور اس کے اجزائے ترکیبی بیان کیجیے۔ (یا) انیس کی رباعی ''دنیا بھی عجب سرائے فانی دیکھی'' کا خلاصہ لکھیے۔

2۔ امجدؔ کی رباعی ''کم ظرف اگر دولت وزر پاتا ہے'' کا خلاصہ لکھئے۔ (یا) صفیہ اختر کی مکتوب نگاری کی خصوصیات بیان کیجئے۔

3 نظام آباد کے چند اردو صحافیوں کا تعارف پیش کیجئے۔ (یا) مضمون ''مردہ بدست زندہ'' کا خلاصہ لکھئے۔

4۔ حالؔی کی رباعی گوئی پر نوٹ لکھئے۔ (یا) نظام آباد سے شائع ہونے والے اخبارات کا تعارف بیان کیجئے۔

5۔ ملک سے کرپشن اور فرقہ پرستی مٹانے کے لئے آپ کیا تجاویز پیش کرتے ہیں۔ (یا) انٹرنیٹ اور ٹیلی ویژن کے نوجوانوں پر اچھے اور برے کیا اثرات پڑ رہے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مطالعہ ادب اُردو زبان دُوّم نوٹس برائے ڈگری سال دوم

رباعی

رباعی کی تعریف:

رباعی عربی زبان کے لفظ ربع سے بنا ہے جس کے معنی چار کے ہیں۔شاعری کی اصطلاح میں چار مصرعوں والی نظم کو رباعی کہتے ہیں۔ رباعی کا پہلا دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ ردیف ہوتا ہے۔رُباعی کا تیسرا مصرعہ رباعی کی جان ہوتا ہے۔رباعی لاحول ولاقوۃ الا باللہ کے وزن پر کہی جاتی ہے۔رباعی میں اخلاقی مضامین بیان کئے جاتے ہیں۔اُردو شاعری میں ابتداء سے رباعی گوئی کی روایات رہی ہے۔انیسؔ، اکبرؔ، حالؔی، امجد، فراق وغیرہ رباعی کے مشہور گزرے ہیں۔

رباعیات (انیس میر ببر علی)

انیسؔ کے حالات زندگی:

میر ببر علی انیس (1802-1871) لکھنو کے مشہور مرثیہ گو شاعر گزرے ہیں۔انیسؔ نے رباعی گوئی میں نام پیدا کیا۔انیسؔ کی رباعیوں میں مذہب اور اخلاق کی باتیں پائی جاتی ہے۔اُنھوں نے دنیا کی بے ثباتی اور مشرقی تہذیب کو اپنی رباعیوں کے ذریعہ پیش کیا ہے۔انیسؔ کی اک رباعی اس طرح ہے:

پرساں کوئی کب جوہر ذاتی کا ہے — ہر گل کو گلہ کم التفاتی کا ہے
شبنم سے جو وجہ گریہ پوچھی تو کہا — رونا فقط اپنی بے ثباتی کا ہے

خلاصہ:

انیسؔ نے اس رباعی میں انسان کو خدا کی طرف سے ملنے والی نعمتوں پر ناشکری کا انداز بیان کیا ہے۔انیسؔ کہتے ہیں کہ خدا نے ہر

انسان ہر جاندار کو کچھ نہ کچھ صفت اور صلاحیت دی ہے۔عقل، دولت، طاقت، حسن، فراست اور ہنر انسان کو ملنے والی چند صفات ہیں۔انسانی جسم میں خدا کی کئی نعمتیں پوشیدہ ہیں۔خدا نے انسان کو دیکھنے کیلئے آنکھ اور کام کرنے کیلئے ہاتھ، چلنے کیلئے پیر، سننے کیلئے کان دیئے ہیں۔اسی طرح لوگ کئی ہنر سیکھتے ہیں۔لیکن ہر انسان اپنے حاصل نعمت اور صلاحیت سے مطمئن نہیں ہے۔جب بھی اُسے پوچھا جائے تو وہ ناشکری ظاہر کرے گا۔مثال دیتے ہوئے انیسؔ کہتے ہیں کہ تبسم سے اگر پوچھا جائے کہ اُسے خدا نے کیسا بنایا۔تو وہ بھی روتے ہوئے کہے گی کہ میں اک ناچیز قطرہ ہوں میں مجھ میں کیا ہے جبکہ اک شبنم کا قطرہ ہریالی پر پڑتا ہے تو موتی کی طرح چمکتا ہے۔موسم کو ٹھنڈا کرتا ہے اور شاعری کیلئے خیال کا ذریعہ بنتا ہے۔

شبنم کی مثال لیتے ہوئے انیسؔ اُن تمام لوگوں سے کہتے ہیں کہ ہم خدا سے اپنی غریبی اور پریشانیوں کا شکوہ نہ کریں بلکہ خدا نے جس حال میں رکھا ہے اُس پر شکر ادا کریں تو خدا اس میں مزید نعمتیں دیتا ہے۔پریشانی میں صبر کرنا اور خوشحالی میں شکر کرنا نعمتوں کو بڑھاتا ہے۔

مرکزی خیال: انسان کو اپنی حالت پر ناشکری نہیں کرنی چاہئے۔خدا نے جس کو جیسا بنایا اچھا بنایا اگر ہم صبر اور شکر کریں گے تو ہماری ترقی ہوگی۔

(۲) رباعی (انیسؔ)

دنیا بھی عجب سرائے فانی دیکھی ہر چیز یہاں کی آتی جاتی دیکھی
جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا جو جاکے نہ آئے وہ جوانی دیکھی

رباعی کی تعریف:

رباعی عربی زبان کے لفظ ربع سے بنا ہے۔جس کے معنی چار کے ہیں۔شاعری کی اصطلاح میں چار مصرعوں والی نظم کو رباعی کہتے ہیں۔رباعی کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ ردیف ہوتا ہے۔رباعی کا تیسرا مصرعہ رباعی کی جان ہوتا ہے۔رباعی لاحول ولا قوۃ الا باللہ کے وزن پر کہی جاتی ہے۔اُردو شاعری میں ابتداء سے رباعی گوئی کی روایات رہی ہے۔انیسؔ، اکبرؔ، حالیؔ، امجدؔ، فراقؔ وغیرہ رباعی کے مشہور شاعر گزرے ہیں۔

انیسؔ کا تعارف:

میر ببر علی انیس (1802-1871) لکھنو کے مشہور مرثیہ گو شاعر گزرے ہیں۔انیسؔ نے رباعی گوئی میں نام پیدا کیا۔انیسؔ کی رباعیوں میں مذہب اور اخلاق کی باتیں پائی جاتی ہیں۔اُنھوں نے دنیا کی بے ثباتی اور مشرقی تہذیب کو اپنی رباعیوں کے ذریعہ پیش کیا۔

رباعی کا خلاصہ:

انیسؔ نے اس رباعی میں اس دنیا اور یہاں کی زندگی کی بے ثباتی (حیثیت) کا ذکر کیا ہے۔انیسؔ نے دنیا کو اک فانی سرائے کہا ہے۔انسانی زندگی کا مشاہدہ ہیکہ جب انسان سفر میں ہوتا ہے تو اپنے ساتھ مختصر سامان اور توشہ رکھتا ہے اور وہ کسی سرائے میں ٹھہرتا ہے تو عارضی مدت کیلئے قیام کرتا ہے۔سرائے اک ایسی جگہ ہے جہاں لوگ آتے ہیں اور کچھ دن رہتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔اس دنیا کی زندگی اور آخرت کی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی کے مقابلہ میں انسان کی زندگی بہت تھوڑی ہے۔انسان پیدائش کے ساتھ دنیا کے سرائے میں قدم رکھتا ہے۔بچپن، جوانی اور بڑھاپے کی منزل سے گزر کر یہ دنیا چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔خدا نے جب یہ کائنات بنائی تو اس کائنات کے ہر ذرے کو فانی بنایا۔جنگل

میں اُگنے والے پیڑ، پودے، جانور دنیا میں آتے ہیں اور اپنی زندگی گزار کر چلے جاتے ہیں۔ قیامت کے خوفناک دھماکے سے یہ زمین، چاند، سورج، ستارے سب ٹوٹ پھوٹ جائیں گے۔ اس طرح اس کائنات کا ہر حصہ فانی ہے۔ انسان اپنی نظر سے دیکھ رہا ہے۔ اُس کا جانا یقینی ہے اور آگے پیچھے سب ہی جا رہے ہیں۔ انسان جب جوان رہتا ہے تو اسے یہ دھوکا رہتا ہے کہ اُس کی جوانی بہت دیر تک رہے گی۔ جوانی میں انسان چست رہتا ہے، بہت کام کر سکتا ہے۔ خدا چاہتا ہے کہ انسان اپنی جوانی کا صحیح استعمال کر لے اور اس کو نیک کاموں میں استعمال کرے۔ لیکن شیطان انسان کو بہکاتا ہے کہ ابھی تیری جوانی بہت پڑی ہے۔ اب کچھ گناہ کر لے بعد میں کچھ ثواب کے کام کر لینا۔ انسانی جوانی کے نشہ میں رہ کر نافرمانیاں کرتے رہتا ہے کہ وہ ادھڑ پن اور بڑھاپے میں داخل ہو جاتا ہے۔ تب اُسے احساس ہوتا ہے کہ ہائے میں نے اپنی جوانی نافرمانی میں گزار دی اور نیکی کا کچھ کام نہیں کیا۔ اس کی آنکھ کھلتی ہے۔ وہ اب کچھ نیک کام کرنا چاہتا ہے لیکن بڑھاپے کی کمزوری اُسے کچھ بھی کرنے نہیں دیتی۔ جوانی کا زمانہ جلدی گزر جاتا ہے اور بڑھاپا آہستہ آہستہ گزرتا ہے۔ بالآخر اپنی زندگی پر افسوس کرتے ہوئے انسان اس دنیا سے گزر جاتا ہے۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ وہ وقت کی قدر کرے اور زندگی کے قیمتی ایام کو خدا کی عبادت میں گزار دے۔ تب ہی وہ دنیا اور آخرت میں کامیاب رہ سکتا ہے اور اس فانی دنیا میں مختصر قیام کے دوران ہمیشہ ہمیشہ کی حیثیت کو یقینی بنا سکتا ہے۔ اس رباعی میں لوگوں کیلئے انیسؔ کا یہی پیغام ہے۔

مرکزی خیال: یہ دنیا فانی ہے یہاں کی زندگی کو ثبات نہیں ہے۔ انسان کو مسافر کی طرح زندگی گزارنا چاہئے۔ جلد جانے والی جوانی میں زیادہ نیکیاں کرنا چاہئے اور بڑھاپے میں خدا کی یاد میں گزارنا چاہئے۔

رباعیات۔ خواجہ الطاف حسین حالؔی

رباعی (۱) حالی۔ خواجہ الطاف حسین

دنیائے دَنی کو نقشِ فانی سمجھو   رودادِ جہاں کو اک کہانی سمجھو
پر جب کرو آغاز کوئی بڑا کام   ہر سانس کو عمرِ جاودانی سمجھو

رُباعی کی تعریف

رباعی عربی زبان کے لفظ ربع سے بنا ہے۔ جس کے معنی چار کے ہیں۔ شاعری کی اصطلاح میں چار مصرعوں والی نظم کو رباعی کہتے ہیں۔ رُباعی کا پہلا دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ ردیف ہوتا ہے اور رباعی کا تیسرا مصرعہ رباعی کی جان ہوتا ہے۔ رباعی لاحول ولاقوۃ الا باللہ کے وزن پر کہی جاتی ہے۔ اُردو شاعری میں ابتداء سے رباعی گوئی کی روایات رہی ہے۔ انیسؔ، اکبرؔ، حالؔی، امجدؔ، فراقؔ وغیرہ رباعی کے مشہور شاعر گزرے ہیں۔

الطاف حسین حالؔی کا تعارف:

خواجہ الطاف حسین حالؔی (1837-1914) اُردو کے مشہور شاعر نقاد سوانح نگار اور ادیب گزرے ہیں۔ غالب کے شاگرد تھے۔

سرسید کی علی گڑھ کی تحریک میں حصہ لیا۔نیچرل شاعری کوفروغ دیا۔مشہورنظم ’’مدوجزراسلام‘‘ لکھی۔اپنی تنقیدی کتاب مقدمہ شعروشاعری کے ذریعہ اُردو میں تنقید کوفروغ دیا۔’’یادگارِغالب‘‘ حیات صادقی اور حیات جاوید ان کی مشہور سوانح کتابیں ہیں۔حالی کی رباعیاں اخلاقی پیغام دیتی ہیں۔

حالؔی اس رباعی کے آغاز میں کہتے ہیں کہ یہ دنیا اور یہاں پائے جانے والا ہر نقش فانی ہے۔زمین اور زمین پر موجود ہے شئے ندی نالے پہاڑ دریا سمندر اور آسمان اور آسمان میں موجود سورج' چاند تارے سب فنا ہونے والے ہیں۔دنیا کا سفر جاری ہے۔یہاں انسان اپنی زندگی گذار کر چلا جاتا ہے اسے زندگی میں دنیا کی تاریخ کا تعارف ہوتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا کا سفر بھی ایک کہانی ہے۔دنیا میں انسان کچھ وقت کا مسافر ہے اسے اپنی زندگی میں دونوں جہاں کی کامیابی کے لئے کام کرنا ہے۔یہاں کوئی ہمیشہ رہنے کے لئے نہیں آیا تو انسان کو اس فانی دنیا میں دل نہیں لگانا چاہئے۔انسان کو چاہئے کہ وہ یہاں گزرتی عمر کے ساتھ روزمرہ کے کام انجام دے۔اس لئے حالؔی رُباعی کے تیسرے اور چوتھے مصرعے میں یہ پیغام دیتے ہیں کہ انسان کو اس فانی دنیا میں رہتے ہوئے اگر کوئی کام شروع کرنا ہو تو اُسے انجام تک پہنچانے کیلئے یہ سمجھنا چاہئے کہ اس کی ہر سانس اک لمبی عمر ہے۔یعنی انسان کو کم وقت میں زیادہ کام کرنا چاہئے۔زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں اور ہمیشہ ہمیشہ کی آخرت کو کامیاب بنانے کیلئے انسان کو اس بے بھروسہ مختصر زندگی میں زندہ رہنے کیلئے حلال روٹی روزی کا انتظام کرتے ہوئے نیک کام بھی کرتے رہے۔تاکہ انسان کی دنیا بھی سنور جائیں اور آخرت بھی۔اس کیلئے انسان کو سستی اور کاہلی ترک کرنا چاہئے اور تیزی سے کام کرتے رہنا چاہئے۔

مرکزی خیال:اس دنیا میں زندگی کا بھروسہ نہیں اور انسان کم وقت میں زیادہ کام کرنا چاہئے۔

رباعی (۲) حالی۔خواجہ الطاف حسین

یارو نہیں وقت آرام کا یہ موقع ہے آخیر فکر انجام کا یہ
بس حب وطن کا جب چکے نام بہت اب کام کرو کہ وقت ہے کام کا یہ

رُباعی کی تعریف

رباعی عربی زبان کے لفظ ربع سے بنا ہے۔جس کے معنی چار کے ہیں۔شاعری کی اصطلاح میں چار مصرعوں والی نظم کو رباعی کہتے ہیں۔رُباعی کا پہلا دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ ردیف ہوتا ہے اور رباعی کا تیسرا مصرعہ رباعی کی جان ہوتا ہے۔رباعی لاحول ولاقوۃ الا باللہ کے وزن پر کہی جاتی ہے۔اُردو شاعری میں ابتداء سے رباعی گوئی کی روایات رہی ہے۔انیؔس،اکبؔر،حالؔی،امجؔد،فراؔخ وغیرہ رباعی کے مشہور شاعر گزرے ہیں۔

الطاف حسین حالؔی کا تعارف:

خواجہ الطاف حسین حالؔی (1837-1914) اُردو کے مشہور شاعر نقاد سوانح نگار اور ادیب گزرے ہیں۔غالب کے شاگرد تھے۔
سرسید کی علی گڑھ کی تحریک میں حصہ لیا۔نیچرل شاعری کوفروغ دیا۔مشہورنظم ’’مدوجزراسلام‘‘ لکھی۔اپنی تنقیدی کتاب مقدمہ شعروشاعری کے

ذریعہ اُردو میں تنقید کو فروغ دیا۔ ''یادگارِ غالب'' حیات صادقی اور حیات جاویدان کی مشہور سوانح کتابیں ہیں۔ حالی کی رباعیاں اخلاقی پیغام دیتی ہیں۔

خلاصہ:

الطاف حسین حالی سرسید احمد خاں کے رفیق کار تھے۔ اور سرسید کی اصلاحی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ حالؔی نے اپنی شاعری کے ذریعہ لوگوں کو خواب غفلت سے جگانے کی کوشش کی ہے۔ چنانچہ اس رباعی میں وہ اہل وطن کے مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے دوستو! یہ وقت اور یہ زندگی آرام کیلئے نہیں ہے۔ خدا نے انسانوں کو اس دنیا میں نیک عمل کیلئے بھیجا ہے تا کہ ان کی آخرت سنور جائے۔ ہندوستان میں چل رہی جدوجہد آزادی میں لوگوں کے وطن کی آزادی کے نعرے لگائے۔ جلسے جلوسوں میں شرکت کی اور آزادی کی تحریک کو پروان چڑھایا۔ لیکن سرسید اور حالی نے محسوس کیا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی معاشی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ دینی اعتبار سے بھی وہ مذہب سے دور ہو کر مغربی تہذیب کا شکار ہو رہے تھے۔ اسی لئے حالؔی لوگوں کو چوکنا کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وطن کی آزادی کا نعرہ لگانے سے نہ انسان کا پیٹ بھرے گا اور نہ اس کی آخرت ٹھیک ہوگی۔ اس لئے عقل مندی اس میں ہیکہ مسلمان اپنی معیشت پر توجہ دیں اور ایسے کام کریں جس سے ان کی دنیاوآخرت سنور جائے۔

مرکزی خیال: حالی لوگوں کے آرام کرنے اور آخرت کی فکر کا مشورہ دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ وطن کی محبت کا نعرہ لگانے کے علاوہ اپنی زندگی کو سدھارنے کے کام بھی کرنے چاہئے۔

رباعی   روآں جگن موہن لال

رباعی کا تعارف   رباعی عربی زبان کے لفظ ربع سے بنا ہوا ہے جس کے معنی چار ہے ہیں۔ شاعری کی اصطلاح میں چار مصرعوں والی نظم کو رباعی کہتے ہیں۔ رُباعی کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرعہ قافیہ ردیف ہوتا ہے اور رباعی کا تیسرا مصرعہ رباعی کی جان ہوتا ہے۔ رباعی لال ولاقوۃ الا باللہ کے وزن پر کہی جاتی ہے۔ اُردو شاعری میں ابتداء سے رباعی گوئی کی روایت رہی ہے۔ انیؔس، اکبؔر، حالؔی، امجؔد، فراخ وغیرہ رباعی کے مشہور شاعر گزرے ہیں۔

جگت موہن لال رواںؔ کے حالاتِ زندگی

بابو جگت موہن لال رواںؔ (1889-1934) لکھنو سے تعلق رکھنے والے مشہور رباعی گو شاعر گزرے ہیں۔ اُن کی رباعیوں کا مجموعہ ''روحِ رواں'' کے نام سے مقبول ہوا۔ اُنھوں نے اپنی رباعیوں میں انسانوں کو بُرے کاموں سے روکنے اور اچھے کام کرنے کی تلقین کی۔ دنیا سے محبت نہ رکھنے اور دنیاوی کاموں میں رغبت نہ رکھنے کا پیغام دیا۔ اُن کی رباعیوں میں واعظانہ اور نامی نہ رنگ نہیں ہے۔ البتہ روزمرہ زندگی میں اخلاقی اقتدار کی پاسداری کی اہمیت ملتی ہے۔ اُن کی اک رباعی اس طرح ہے۔

(ا رباعی   جگت موہن لال رواں

افلاس اچھا ، نہ فکرِ دولت اچھی   جو دل کو پسند ہو وہ حالت اچھی
جس سے اصلاحِ نفس ناممکن ہو   اس عیش سے ہر طرح مصیبت اچھی

رباعی کا خلاصہ: جگت موہن لال رواںؔ نے اس رباعی میں انسانوں کو متوازن زندگی بسر کرنے کی تلقین کی ہے۔ رباعی کے پہلے

مصرعے میں وہ فکر معاش کے سلسلے میں دو قسم کے لوگوں کی مثال پیش کرتے ہیں۔ اک قسم کے وہ لوگ ہیں جو قسمت کی خرابی یا انہی سستی یا کاہلی اور ناہلی کے سبب مفلس اور غریب رہتے ہیں۔ انھیں دو وقت کی روٹی بھی چین سے نصیب نہیں ہوتی۔ افلاس اور ناداری اچھی بات نہیں۔ انسان کو اپنا پیٹ بھرنے کیلئے کچھ نہ کچھ جدوجہد اور حرکت کرنی چاہئے۔ سائل اور فقیر افلاس کو دور کرنے کیلئے در در بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ جب انسان کے دو ہاتھ دو پیر سلامت ہو اور وہ اچھی صحت والا ہو تو اسے بھیگ مانگ کر ذلیل ہونے کے بجائے محنت و مزدوری کرکے اپنا اور اپنے گھر والوں کا پیٹ پالنا چاہئے۔ اکثر حالات میں غربت و افلاس کی وجہ سے انسان کی سستی اور کاہلی ہوتی ہے۔ اس لئے چستی، حرکت و عمل، محنت و مزدوری کے ذریعہ افلاس کو دور کرنے کے طریقے اختیار کرنے چاہئے۔ اگر انسان کمزور و ناتواں ہو، ضعیف و بوڑھا ہو، بے سہارا ہو اور افلاس کا مارا ہو تو اسے صبر کرتے ہوئے خدا سے افلاس کی دوری کی دعا کرتے رہنا چاہئے۔ رواںؔ دوسری قسم کے انسانوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ کچھ لوگوں کو فکر معاش اور دولت کے حاصل کرنے میں حرص اور لالچ بڑھ جاتی ہے اور وہ دولت حاصل کرنے کیلئے جائز و ناجائز ہر قسم کے طریقے اختیار کرنے لگتے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ راتوں رات دولت مند ہو جائیں۔ انھیں دولت میں ہی زندگی کا ہر عیش و آرام دکھائی دیتا ہے۔ ہر مسئلے کا حل دولت میں دکھائی دیتا ہے۔ اس لئے وہ رات دن دولت کے حصول میں لگ جاتے ہیں۔ رواںؔ ایسے لوگوں کو باخبر کرتے ہوئے کئے ہیں کہ زندگی میں حصول دولت ہی سب کچھ نہیں۔ انسان کو اور بھی بہت کام کرنے ہیں۔ اس لئے دولت حاصل کرنے کی دُھن میں لگنا اچھی بات نہیں۔ رباعی کے تیسرے مصرعے میں بات کو اُٹھاتے ہوئے رواںؔ کہتے ہیں کہ مادی خواہشات انسان کے نفس کو اپنا غلام بنا لیتی ہیں۔ انسان نفس کا تابع ہو جاتا ہے اور وہ خدا اور اس کے رسول کے احکام کو پس پشت ڈال کر جی کی چاہتوں میں لگ جاتا ہے اور بالآخر بُرائی کے دلدل میں پھنس جاتا ہے۔ اس لئے رواںؔ رباعی کے آخر میں کہتے ہیں کہ دنیا اور آخرت کی زندگی کو نقصان پہونچانے والے عیش سے دنیا کی مصیبت بہتر ہے کیونکہ زندگی کے خاتمہ کے ساتھ مصیبتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ لیکن عیش کی زندگی پر خاتمہ ہو تو مرنے کے بعد اور آخرت میں انسان کو ہمیشہ کی مصیبت میں گھر جانا ہوتا اس لئے وہ انسانوں کو اعتدال پسندی کی راہ اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

مرکزی خیال: افلاس اور عیش پسندی دونوں ہی انسان کیلئے پریشان کرنے والی حالتیں ہیں۔ انسان کو زندگی اعتدال اور توازن کے ساتھ بسر کرنی چاہئے۔

(۲) رباعی — جگت موہن لال رواںؔ

:

آزاد ضمیر ہوا ، فقیری یہ ہے — دل بے پروہ رہے امیری یہ ہے
زنجیر نہیں ہے باعثِ قید ، رواں — محدود ہے خیالؔ امیری یہ ہے

رباعی کا تعارف:

رباعی عربی زبان کے لفظ ربع سے بنا ہے جس کے معنی چار کے ہیں۔ شاعری کی اصطلاح میں چار مصرعوں والی نظم کو رباعی کہتے ہیں۔ رباعی کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ ردیف ہوتا ہے اور رُباعی کا تیسرا مصرعہ رباعی کی جان ہوتا ہے۔ رباعی لاحول ولاقوۃ الا باللہ کے وزن پر کہی جاتی ہے۔ اُردو شاعری میں ابتداء سے رباعی گوئی کی روایات رہی ہے۔ انیسؔ، اکبرؔ، حالیؔ، امجدؔ فراخ وغیرہ رباعی کے مشہور شاعر

گزرے ہیں۔

جگت موہن لال رواںؔ کا تعارف:

بابو جگت موہن لال رواں (1889-1934) لکھنو سے تعلق رکھنے والے مشہور رباعی گو شاعر گزرے ہیں۔ اُن کی رباعیوں کا مجموعہ، روحِ رواں کے نام سے مقبول ہوا۔ اُنھوں نے اپنی رباعیوں میں انسانوں کو بُرے کاموں سے روکنے اور اچھے کام کرنے کی تلقین کی۔ دنیا سے محبت نہ رکھنے اور دنیاوی کاموں میں رغبت نہ رکھنے کا پیغام دیا۔ اُن کی رباعیوں میں واعظانہ اور ناصحانہ رنگ نہیں ہے۔ البتہ روزمرہ زندگی میں اخلاقی اقدار کی پاسداری کی اہمیت ملتی ہے۔ اُن کی اک رباعی اس طرح ہے

رباعی کا خلاصہ:

جگت موہن لال رواںؔ نے اس رباعی میں دل اور دماغ میں خیالات رکھنے کی اہمیت بیان کی ہے۔ انسان کے ذہن میں اچھے خیالات آتے رہیں اور اس کے دل میں کارآمد جذبات پیدا ہوتے رہیں تو انسان کے جسم سے بھی اچھے اعمال و افعال سرزد ہونگے۔ چنانچہ رباعی کے پہلے مصرعہ میں رواںؔ کہتے ہیں اگر کسی کا ضمیر اُس کے قابو میں نہ رہے اور آزاد ہو جائے تو یہ اچھی بات نہیں۔ انسان ضمیر کا غلام ہو جاتا ہے اور نفسیاتی خواہشات کے تابع ہو جاتا ہے۔ اچھے بُرے کی تمیز نہیں کرتا اور ضمیر کی آواز پر جو چاہے کر بیٹھتا ہے۔ ایسے انسان زندگی میں دھوکا کھا کر خود نقصان اُٹھائے ہیں اور دوسروں کیلئے بھی نقصان کا باعث بنتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ انسان اپنے ضمیر اور نفس کو قابو میں رکھے۔ اسے اطاعتِ الٰہی کا تابع بنائے۔ تب ہی انسان کی زندگی پُرسکوں رہے گی۔ رباعی کے دوسرے مصرعہ میں رواںؔ کہتے ہیں کہ انسان دولت کے ہونے کو امیری سمجھتا ہے جبکہ مشاہدہ ہے کہ دولت کے ساتھ ہی پریشانیاں اور مسائل بڑھتے جاتے ہیں اسی لئے دولت سے دِل بے پرواہ رہے۔ یہی حقیقی امیری ہے۔ انسان ایسی حالت میں رہے کہ اُس کا دل دولت کی خواہش نہ کرے تو یہ اچھی بات ہے۔

رباعی کے تیسرے مصرعے میں جگت موہن لال رواںؔ کہتے ہیں کہ لوگ زنجیروں اور بیڑیوں کو قید کی وجہ سمجھتے ہیں۔ انسان اگر جیل میں قید میں ڈال دیا جائے تو پھر بھی اس کی زبان اور اُس کا ذہن تو آزاد رہتا ہے۔ وہ اپنی قید سے آزاد ہونے کیلئے زبان سے فریاد کر سکتا ہے اور ذہن سے آزادی کی ترکیب سوچ سکتا ہے۔ لیکن اگر کسی کا ذہن ماؤف ہو تو یہ جسمانی قید سے کہیں بڑی قید ہے۔ اس لئے رباعی کے چوتھے مصرعے میں رواںؔ کہتے ہیں کہ کسی کے خیالات محدود ہو جائیں۔ ذہن میں کوئی نئی اور اچھی بات نہ آئے اور وہ محدود ہو کر رہ جائے تو یہ بڑے نقصان کی بات ہے۔ اس لئے انسان کو اپنے مشاہدات اور خطا کے ذریعہ نئے رفقاء سے آگاہ ہوتے رہنا چاہئے۔

مرکزی خیال: رواںؔ نے اس رباعی میں ذہنی آزادی کی اہمیت اُجاگر کی ہے۔ انسان کو اپنے نفس اور ضمیر پر قابو رکھنا چاہئے۔ دولت کا لالچ نہیں رکھنا چاہئے۔ ذہن کو پرانے خیالات تک محدود رکھنے کے بجائے نئے اور تازہ افکار سے ہم آہنگ کرتے رہنا چاہئے۔ تب ہی اک انسان تازہ اور نئے افکار کے ساتھ بہتر زندگی بسر کر سکتا ہے۔

رباعی (ا) امجدؔ احمد حسین

کوشش ہے اپنی تمام ستائش کیلئے کیا کیا کرتے ہیں اک خواہش کیلئے

ہر اک نمود پر مٹا جاتا ہے پتلے مٹی کے پس نمائش کیلئے

رباعی کا تعارف:

رباعی عربی زبان کے لفظ ربع سے بنا ہے۔جس کے معنی چار کے ہیں۔شاعری کی اصطلاح میں چار مصرعوں والی نظم کو رباعی کہتے ہیں۔ رُباعی کا پہلا دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ ردیف ہوتا ہے اور تیسرا مصرعہ رُباعی کا جان ہوتا ہے۔رباعی لاحول ولاقوۃ الا باللہ کے وزن پر کہی جاتی ہے۔اُردو شاعری میں ابتداء سے رباعی گوئی کی روایت رہی ہے۔انیسؔ،اکبرؔ،حالیؔ،امجدؔ فراخ وغیرہ رباعی کے مشہور شاعر گزرے ہیں۔

امجد حیدرآبادی کے حالاتِ زندگی:

اُردو رباعی کے شہنشاہ احمد حسین امجدؔ حیدرآبادی 1885ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔موسیٰ ندی کی طغیانی سے گھٹ لُٹ گیا۔امجدؔ کو شاعری کا بہت شوق تھا۔ان کی رباعیوں میں اخلاقی درس ملتا ہے۔ان کا انتقال 29 مارچ 1961ء کو ہوا۔ان کی رباعیوں کا مجموعہ جمال امجدؔ کے نام سے شائع ہوا۔امجدؔ کی اک رباعی اور اس کا خلاصہ اس طرح ہے۔

رباعی کا خلاصہ:

امجدؔ حیدرآبادی نے اس رباعی میں ظاہری شان وشوکت نام ونمود کا اظہار کرنے والے لوگوں کا حال بیان کیا ہے۔انسان کی فطرت میں یہ بات شامل ہے کہ وہ اپنے جیسے لوگوں میں ممتاز دکھائی دینا چاہتا ہے۔اس کی خواہش ہوتی ہے کہ لوگ اس کی کوئی خصوصیت کی بناء اس کی تعریف کریں۔اگر انسان کوئی اچھا کام کرے اور لوگ خوشی سے اس کی تعریف کریں تو یہ اعزاز کی بات ہے۔لیکن دنیا اور لوگ جھوٹی شان و شوکت ظاہر کرنے کیلئے اور اپنی تعریف کروانے کیلئے لوگوں کی جی حضوری کرتے ہیں۔روپیہ خرچ کرتے ہیں تاکہ لوگ اس کی تعریف کریں اور یہ اپنی تعریف سُن کر پھولا نہ سمائے۔آج کل کے سیاست داں جب کسی علاقے کے دورے پر جاتے ہیں تو پہلے ہی اس علاقے کے لوگوں سے کہہ دیتے ہیں کہ اس کا استقبال کس طرح ہو۔راستے کے دونوں طرف اس کے نام کے پرچے بیانر اور جھنڈے لگائے جاتے ہیں۔ خیر مقدمی کمانیں لگائی جاتی ہیں اور سیاست داں کی تعریف میں نعرے لگوائے جاتے ہیں۔اس جھوٹی تعریف کیلئے اک سیاست داں بے شمار دولت خرچ کرتا ہے۔یہی حال دیگر شعبوں کی بڑی ہستیوں کا ہے جو اپنی تعریف کو عام کرنے کیلئے بہت کچھ کرتے ہیں۔لیکن یہ تعریف وقتی اور عارضی ہوتی ہے۔جیسے ہی سیاست داں چلا جائے لوگ اس کی بُرائی کرنے لگتے ہیں اور اگر سیاست داں الیکشن ہار جائے تو اس کی بے عزتی بھی کی جاتی ہے۔اس لئے امجد جھوٹی تعریف کرنے والوں کو اچھا نہیں سمجھتے۔اور وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ انسان اپنی تعریف سننے کیلئے کس قدر اخلاقی قدروں کو پامال کرتا ہے۔جب زمانے کا مزاج ہی بدل جائے تو اکثریت جھوٹی تعریف چاہنے والوں کی ہوجاتی ہے۔اس لئے امجدؔ کہتے ہیں کہ آج ہر شخص اسی بُرائی میں مبتلا دکھائی دیتا ہے۔ایسے جھوٹے لوگوں کو امجدؔ نمائش کیلئے رکھے مٹی کے پتلوں سے تشبیہہ دیتے ہیں یعنی جس طرح دکان کے آئینہ میں لگے مٹی کے پتلے خوبصورت اور حسین ہوتے ہیں۔لیکن بے جان ہوتے ہیں۔اسی طرح جھوٹی تعریف پسند کرنے والے بھی بے حس اور بے جان لوگ ہیں۔وہ حقیقی تعریف کے مستحق نہیں۔اس طرح کے لوگوں کی سماج میں موجودگی سے جھوٹی شان وشوکت بڑھے گی۔اور زندگی کی حقیقی مسرت حاصل نہیں ہوگی۔

مرکزی خیال: امجدؔ اس رباعی میں کہتے ہیں کہ جھوٹی تعریف کے دھوکے دکھاوا کرنے والے لوگ اپنی تعریف کی اک خواہش پوری کرنے کیلئے کافی جستجو کرتے ہیں۔یہ دکھاوے کے لوگ ہیں اور اس طرح کے لوگ سماج میں بڑھتے ہی جارہے ہیں۔تشویش کی بات ہے۔ انسان کو دکھاوا نہیں کرنا چاہئے اور اچھے کام کرتے رہنا چاہئے۔تعریف اور ستائش کی غنا نہیں کرنی چاہئے۔

رباعی (۲) امجؔد حیدرآبادی

کم ظرف اگر دولت و زر پاتا ہے مانند حباب اُبھر کے اتر آتا ہے
کرتے ہیں ذرا سی بات پر فخر حسیں تنکا تھوڑی ہوا سے اُڑ جاتا ہے

رباعی کی تعریف:

رباعی عربی زبان کے لفظ ربع سے بنا ہے۔جس کے معنی چار کے ہیں۔شاعری کی اصطلاح میں چار مصرعوں سے بننے والی نظم کو رباعی کہتے ہیں۔رباعی کا پہلا، دوسرا اور چوتھا مصرعہ ہم قافیہ ردیف ہوتا ہے اور رباعی کا تیسرا مصرعہ رباعی کی جان ہوتا ہے۔رباعی لاحول ولاقوۃ الا باللہ کے وزن پر کہی جاتی ہے۔اُردو شاعری میں ابتداء سے رباعی گوئی کی روایت رہی ہے۔انیؔس، اکبؔر، حالؔی، فراخ وغیرہ رباعی کے مشہور شاعر گزرے ہیں۔

امجد کا تعارف:

اُردو رباعی کے شہنشاہ امجؔد حیدرآبادی 1885ء میں حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔موسیٰ ندی کے طغیانی سے گھر کٹ گیا۔امجد کو شاعری کا بہت شوق تھا۔ان کی رباعیوں میں اخلاقی درس ملتا ہے۔ان کا انتقال 29 مارچ 1961ء کو ہوا۔ان کی رباعیوں کا مجموعہ ''جمالِ امجؔد'' کے نام سے شائع ہوا۔امجد کی اک رباعی کا خلاصہ اسطرح ہے۔

رباعی کا خلاصہ:

امجؔد حیدرآبادی اس رباعی میں نئے نئے دولت مند بننے والے لوگوں کی کم ظرفی کو بیان کرتے ہیں۔چنانچہ امجؔد کہتے ہیں کہ کم اخلاق والے نیچ قسم کے انسان جب اچانک دولت مند بن جاتے ہیں۔تو فخر سے پھولے نہیں سماتے۔سماج اور معاشرے میں اپنی دولت کے اظہار کیلئے وہ ایسی حرکتیں کرتے ہیں کہ لوگ اُن کے دولت مند بن جانے کو پہچانیں۔اُن کی تعریف کریں۔یہ لوگ اچانک ظاہر ہوتے ہیں اور جیسے پانی پر اُبھرنے والے بُلبلے کی عمر مختصر ہوتی ہے اور وہ اُچھل کود کے بعد ٹوٹ جاتا ہے۔ایسے ہی نئی دولت حاصل کرنے والے لوگ جب تک دولت باقی رہے دکھاوا نام ونمود کے کام کرتے رہتے ہیں۔یہ دراصل کنجوس اور بخیل لوگ ہوتے ہیں جو چھوٹی چھوٹی بات پر فخر کرتے ہیں اور بالآخر جس طرح تنکا یا گھاس پھوس اپنے ہلکے ہونے کے سبب تھوڑی ہوا چلنے سے اُڑ جاتا ہے۔اُسی طرح یہ بھی دولت کے ختم ہو جانے کے بعد اک مرتبہ پھر اپنی حالت میں آجاتے ہیں اور عام آدمی کی طرح روزانہ کے کام کرنے لگ جاتے ہیں۔

واپس آجاتے ہیں۔امجؔد اس رباعی کے ذریعہ سے انسانوں کو دولت پر غرور و تکبر نہ کرنے اور جھوٹی شان کا اظہار نہ کرنے کا مشورہ دیا ہے۔

حصہ نثر۔خطوط مکتوبات صفیہ۔از: صفیہ اختر

سوال(۱): صفیہ اختر کے خطوط کا خلاصہ لکھئے اور ان کی مکتوب نگاری کی خصوصیات بیان کیجئے۔

جواب: خط کی تعریف: کسی کاغذ پر لکھی ہوئی ایسی ذاتی تحریر جس کے ذریعہ لکھنے والا کسی عزیز یا رشتہ دار یا دوست کو اپنے احوال سے واقف کرانا چاہتا ہوا سے خط کہتے ہیں۔خط کی کئی اقسام ہیں جیسے ذاتی خطوط، کاروباری خطوط، سرکاری خطوط وغیرہ اُردو میں شعراء اور ادیبوں

نے جو ذاتی خطوط لکھتے تھے وہ اپنی ادبی شان کی وجہ سے بہتم شہور ہوئے۔ غالبؔ، ابوالکلام آزادؔ، صفیہ اختر، شبلی، محمد علی اور اقبالؔ کے خط آج بھی اُردو ادب کی تاریخ میں اپنے مخصوص انداز بیان کیلئے شہرت رکھتے ہیں۔

صفیہ اختر کا تعارف:

صفیہ اختر مشہور شاعر مجاز لکھنوی کی بہن اور جان نثار اختر کی شریک حیات تھیں۔ علی گڑھ سے اُردو میں ایم۔ اے کیا۔ شادی کے بعد بھوپال آ گئیں۔ جہاں جان نثار اختر حمیدیہ کالج میں لکچر رتھے۔ جاں نثار اختر ترقی کی خاطرا کیلئے بھی چلے آئے۔ صفیہ اختر علی گڑھ میں اُردو کی لکچرار ہوگئیں۔ اپنے شوہر سے دوری پر اُردو کی ادیبہ نے جو خطوط لکھے وہ انتہائی جذباتی نوعیت کے تھے۔ بعد میں یہ خطوط زیرلب، حرف آشنا اور انداز نظر کے عنوان سے شائع ہوئے۔ صفیہ اختر کے خطوط ''نسائی حسیت'' سے بھر پور ہیں۔ صفیہ اختر کا انتقال ۱۷ر جنوری ۱۹۵۳ء کو ہوا۔ ذیل میں نصابی کتاب میں شامل اُن کے دو خطوط کا خلاصہ پیش ہے۔

صفیہ اختر کے خطوط کا خلاصہ:

صفیہ اختر کے تحریر کردہ دو خطوط نصابی کتاب میں شامل ہیں۔ پہلا خط مسلم گرلز کالج علی گڑھ سے 13 جنوری 1966ء کو لکھا گیا۔ صفیہ اختر جذباتی انداز میں اپنے شوہر کو خط لکھتے ہوئے کہتی ہیں کہ تم خوش رہو مسکراتے رہیں۔ اپنی خیریت کی اطلاع دیتے ہوئے صفیہ کہتی ہیں کہ زندگی کو راہ پر لانے کیلئے تم ہم منتشر ہیں۔ تم سے دوررہ کر ویرانی کا احساس ہے لیکن دل میں تمہاری یاد سجائے رکھی ہوں۔ دو دن اسی بہلاوے میں گزار دیئے کہ تم سے ملوں گی۔ موسم خوشگوار ہے۔ کالج میں لڑکیاں مصروف رکھتی ہیں۔ اپنے آپ کو سنبھال کر رکھنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ سلمیٰ اور سعیدہ پاس بیٹھی ہیں۔ مشاعرہ کیسا رہا۔ اسرار الحق مجاز یہاں آرہے ہیں۔ اُن سے ملنے جاؤں گی۔ تمہاری کیا مرضی ہے۔ تمہارے خط کی منتظر ہوں۔ کالج میں ششماہی امتحان شروع ہورہے ہیں۔ چھٹیاں کہاں گزاریں گے، سچ کہو آؤ گے یا نہیں۔ تصویر کی فرمائش پوری کروں گی شائد تصویر پسند نہ آئے۔ سگریٹ نے مجھے اور تمہیں دور کر دیا ہے، سب کو پیار۔ صفیہ

اپنے شوہر کے نام لکھے گئے دوسرے خط صفیہ لکھتی ہیں کہ کل تمہارا خط ملا۔ اُمید ہے کہ جس تکلیف کا ذکر تم نے کیا تھا وہ اب کم ہوگئی ہوگی۔ پھر وہ اپنی شادی کی تاریخ 6 اپریل کو یاد کرتی ہیں کہ پانچ سال پہلے اسی دن ہماری شادی ہوئی تھی۔ وہ اپنی شادی کی خوشگوار یادوں کو دہراتی ہیں اور سالگرہ کی تنہائی پر غم کا اظہار کرتی ہیں۔ پھر اپنی بیٹیوں کی پرورش کا تذکرہ کرتی ہیں۔ وہ لکھتی ہیں کہ زندہ ہوں پڑھائی کر رہی ہوں، کتابیں نہیں ملتی۔ دل چاہتا ہے کہ لکھنو چلی جاؤں۔ تم سے جدا ہوئے ڈھائی سال ہوگئے۔ میں تنہا اس گاڑی کو اب نہیں گھسیٹ سکتی۔ مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ میں تمہارے انتظار میں تمہاری یادوں کے سہارے جی رہی ہوں۔ خط لکھو، اور اس اپنائیت کا اظہار کرو کہ تم سے دوررہ کر بھی تمہارے پاس ہوں۔ صفیہ

صفیہ اختر کے خطوط کی خصوصیات:

صفیہ اختر نے اپنے شوہر سے دور رہنے کے بعد جو خطوط لکھے انھیں پڑھ کر ہر قاری ضرور متاثر ہوتا ہے۔ یہ خطوط شوہر سے دور، شوہر کی مدد اور اس کے انتظار میں بیٹھی اک عورت کے جذبات کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان خطوں میں جو جذبات بیان کئے گئے ہیں وہ صرف صفیہ کے جذبات نہیں بلکہ ہر اُس مشرقی عورت کے ہیں جو شادی کے بعد درد وغم ہنستے ہوئے شوہر کی جدائی کو برداشت کرتی ہے اور اس کی یادوں کے سہارے زندگی کے دن کاٹتی رہتی ہے۔ ان خطوں میں صفیہ نے اپنے شوہر سے والہانہ محبت کا اظہار کیا ہے۔ ان خطوط میں ہندوستانی عورت کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ جو

بیوی بھی ہے اور ماں بھی۔صفیہ اختر اپنے شوہر کو رفیق اور دوست قرار دیتی ہیں۔ ہمت اور حوصلہ سے کام لیتی ہیں اور پریشانیوں میں رہنے کے باوجود زندگی کی کٹھن راہوں کو عزم و حوصلہ سے یاد کرتی ہیں۔ان خطوط میں اک ذمہ دار گھریلو فرائض کے ساتھ شوہر کے جذبات کا خیال رکھنے والی عورت کی باتیں کثرت سے موجود ہیں۔ان خطوں میں محبت کے پاکیزہ جذبے کا اظہار ہوا ہے۔ان خطوط میں ماں کی ممتا، باپ کی شفقت، بیوی کا ایثار، تہذیب احترام، صداقت، اعتماد، ناز وادا، خلوص، محبت، ادب شناسی، ادب نوازی، پاکیزہ جذبات واحساس، غم، تنہائی، انتظار، رنگینی و رعنائی، سادگی، جذبے کی گہرائی، مشرقی تہذیب، ازدواجی زندگی کی محبت، سوز و ساز، عشق کا جذبہ، صبر، استقلال، مسائل کا سامنا کرنے کا حوصلہ جیسی تمام خصوصیات موجود ہیں۔اس لئے یہ خطوط اُردو ادب میں اہمیت کے حامل ہیں۔صفیہ اختر نے اپنے خطوط سے اپنے ذاتی غم اور جدائی کو آفاقی غم بنا دیا۔

مردہ بدست زندہ۔مرزا فرحت اللہ بیگ

سوال (ا) مرزا فرحت اللہ بیگ کے مضمون ''مردہ بدست زندہ'' کا خلاصہ لکھئے۔

جواب: مرزا فرحت اللہ بیگ کا تعارف: مرزا فرحت اللہ بیگ 1947-1883ء مشہور مزاح نگار و خاکہ نگار گذرے ہیں۔ان کی کتاب ڈپٹی نذیر احمد کی کہانی کچھ اُن کی اور کچھ میری زبانی کو اُردو خاکہ نگاری میں اہمیت حاصل ہے۔ان کے مزاحیہ مضامین کا مجموعہ مضامین فرحت کے نام سے شائع ہوا ان کا ایک مشہور مضمون ''مردہ بدست زندہ'' ہے۔جس کا خلاصہ اس طرح ہے۔

خلاصہ:

مرزا فرحت اللہ بیگ نے مضمون ''مردہ بدست زندہ'' میں موجودہ دور میں کسی جنازے کے ساتھ لوگوں کی اختیار کردہ بے حسی کو مزاحیہ انداز میں بیان کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ اب دلوں کا خلاص جاتا رہا، زندگی اور موت کے معاملہ میں لوگ ظاہرداری سے کام لے رہے ہیں۔ پہلے اگر کوئی پڑوسی مرجاتا تو شدید غم کا اظہار ہوتا تھا۔اب اگر کوئی اپنا بھی مرگیا تو اس کے ساتھ غیروں کی طرح برتاؤ کیا جاتا ہے لوگ کسی کے جنازے میں ظاہر داری نبھانے کے لئے اس لئے جاتے ہیں کہ دنیا والے یہ نہ کہیں کہ زندگی میں تو دوستی اور محبت دکھائی اور مرنے کے بعد پوچھ کر بھی نہ دیکھا۔اپنے ان خیالات کی تائید کیلئے مرزا فرحت اللہ بیگ نے اک جنازے کے سفر کا حال بیان کیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ لیجئے صاحب سامنے کے مکان میں کسی کا انتقال ہوگیا، مرنے والا مشہور آدمی تھا اس لئے امیر، غریب بہت لوگ جمع ہوگئے جو غریب تھے اندر گئے اور کچھ پڑھنے بیٹھ گئے امیر لوگ باہر اپنی گاڑیوں میں بیٹھے، سگریٹ پیتے ہوئے جنازے کے نکلنے کا انتظار کرنے لگے، مرنے والے کے افراد خاندان سے تعزیت کے اظہار کے بجائے دنیا کی باتیں کرنے لگے، دفتر کی کارروائی ملک کی سیاست وغیرہ پر باتیں ہونے لگی کچھ دیر بعد جنازۃ تیار ہوگیا باہر آ گئے جنکو ساتھ جانا تھا، وہ جنازے کے ساتھ تھے، تیز تیز چلنے لگے۔ کچھ لوگ آہستہ آہستہ چلنے لگے اور کچھ لوگ اپنی گاڑیوں پر پیچھے پیچھے آنے لگے جنازے کے سفر میں لوگ دنیاداری نبھانے لگے، کوئی بڑا آفیسر ہو تو اُس کے ضرورت مند لوگ قریب آ کر اُس سے اپنی دفتری کارروائی بات کرنے لگے کوئی ڈاکٹر کی برائی کرنے لگا تو کوئی حکیم کی شکایت۔ جنازہ مسجد پہنچ گیا۔ ہمیشہ نماز پڑھنے والے اور خاص طور سے جنازے کی نماز پڑھنے والے مسجد میں چلے گئے، کبھی نماز نہ پڑھنے والے باہر رہ گئے اور نماز کے بعد جیسے ہی جنازہ باہر آیا لوگوں میں ایسے شامل ہوگئے کہ اُنھوں نے بھی نماز پڑھی ہے چونکہ جنازہ میں زیادہ لوگ تھے اس لئے راستے میں کسی لوگ دریافت کرتے رہے کہ کون مرگیا کس طرح مرگیا، جنازہ جب راستے سے جاتا ہے تو ٹرافک متاثر ہوتی ہے۔گاڑی والے جنازے کی خاطر

کچھ رُک نہیں سکتے۔ وہ ہارن بجا کر آگے بڑھنے کی فکر میں تھے۔ اس طرح بڑے زور وشور سے یہ جنازہ قبرستان پہنچ گیا۔

فرحت اللہ بیگ آگے لکھتے ہیں کہ قبرستان کی حالت پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے وہاں کا منظر جنگل کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ ٹوٹی پھوٹی قبریں لمبی لمبی گھاس ماحول کو وحشت ناک بناتی ہے۔ قبرستان میں قبر کھودنے والے گورکھن کی ایک جھونپڑی ہے۔ ان کی بیوی 10-12 بچے بکریاں، مرغیاں، بھینیں وغیرہ ہیں۔ قبرستان پر قبضہ کر رکھا ہے یہ لوگ قبرستان کو اپنی مرضی سے استعمال کرتے تھے۔ قبر کے پھول رات میں بستر پر ڈالتے تھے اور صبح قبر پر۔ قبر کے پتھر پر مصالحہ پیسا جاتا۔ قبر پر بچھے کپڑے پر گیہوں سکھائے جائے۔ گورکن کے بچے اور ان کے جانور قبروں کے درمیان اُچھل کود کرتے، جس سے قبریں ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں۔ پرانی قبروں کی حالت بُری تھی۔ جبکہ خالی زمین صاف رکھی گئی تھی۔ تا کہ آنے والوں کو اچھی لگے۔

جب کبھی قبرستان میں نیا جنازہ آتا تو گورکن کے بچے ہاتھوں میں برتن لئے اناج لئے آتے۔ اس طرح قبرستان میں بھی خدا اُنھیں رزاق پہنچا رہا تھا۔ جب جنازہ قبرستان میں داخل ہوا تو معلوم ہوا کہ قبر ابھی تیار نہیں ہے۔ چنانچہ لوگ زمین سخت ہونے اور کھودنے والوں کو سست کہتے ہوئے جنازہ رکھ کر قبرستان میں اِدھر اُدھر پھیل گئے اور قبروں کے پتھر پر بیٹھ گئے۔ بیڑھی، سگریٹ جلا کر دنیا بھر کی باتیں کرنے لگے۔ کچھ لوگ اپنے عزیزوں کی قبروں کا فاتحہ پڑھنے لگے۔ تو کچھ لوگ قبر پر لگے کتبوں کو پڑھ کر اُن پر لکھے اچھے اشعار نوٹ کرنے لگے۔ اسی دوران معلوم ہوا کہ قبر کھد کر تیار ہوگئی ہے۔ سب لوگ قبر کے گرد جمع ہوئے۔ اور طرح طرح کے مشورے دے کر کسی طرح جنازے کو قبر میں رکھا گیا اور قبر بند کی گئی۔ مٹی ڈالنے کی دُعا کچھ لوگوں نے پڑھی اور کچھ نے آواز میں آواز ملائی۔ بعد میں فاتحہ پڑھی گئی۔ جس میں سب شریک تھے۔ کچھ لوگ آیتیں پڑھ رہے تھے۔ تو کچھ لوگ ہونٹ ہلا رہے تھے۔ لوگوں کو اپنے گھر جانے کی فکر ہوئی جنازہ اُٹھا کر لانے والوں کو اُجرت دی گئی تھی۔ اس طرح دنیاداری اور ظاہرداری دکھاتے ہوئے اک جنازہ کو لوگوں نے قبرستان تک پہنچایا اور اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

آخر میں فرحت اللہ بیگ کہتے ہیں میں نے اس زمانہ کے جلوس جنازہ کا جو رنگ دکھایا ہے۔ وہ صحیح یا نہیں۔ لوگ یہ نہیں سمجھتے کہ حکم کیا ہے اور وہ کیا کر رہے ہیں ایسے لوگوں کیلئے نیک ہدایت کی دُعا کرنی چاہئے۔

مرکزی خیال:

مرزا فرحت اللہ بیگ نے مضمون ''مردہ بدست زندہ'' سے واضح کر دیا ہے کہ آج زندگی کا کوئی کام بھی خلوص سے نہیں ہو رہا ہے اور کسی کی موت پر لوگ دنیاداری نبھانے کیلئے شریف ہو رہے ہیں۔ یہ افسوس کی بات ہے۔

رپورتاژ-کل ہند کانفرنس۔ از: اظہار اثر

سوال: کل ہند کانفرنس رپورتاژ کا خلاصہ کیجئے؟

جواب: رپورتاژ کی تعریف: رپورتاژ اک جدید نثری صنف ہے۔ یہ ایسا مضمون ہوتا ہے جس میں کسی تقریب، جلسہ، کانفرنس، سمینار، مشاعرہ یا محفل کا آنکھوں دیکھا حال جزئیات کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ یہ آنکھوں دیکھا حال صرف روداد کی پیشکشی تک محدود نہیں ہوتا بلکہ اس میں رپورتاژ نگار کے جذبات اور اسلوب کی ندرت بھی شامل ہوتی ہے۔ رپورتاژ پڑھنے سے قارئین کو مکمل محفل کے احوال معلوم ہو جاتے

ہیں اور وہ گھر بیٹھے محفل میں شرکت کا مزہ لے لیتے ہیں۔ اُردو میں ترقی پسند تحریک کے زیر اثر رپورتاژ لکھنے کا رواج شروع ہوا۔ 1940ء میں سجاد ظہیر نے اُردو میں پہلا رپورتاژ ''یادیں'' کے عنوان سے لکھا۔ کرشن چندر کا رپورتاژ ''پودے'' (1945)، عصمت چغتائی کا ممبئی سے بھوپال تک، عادل رشید کا ''خزاں کے پھول''، صفیہ اختر کا ''اک ہنگامہ''، فکر تونسوی کا ''چھٹا دیا''، ابراہیم جلیس کا ''دو ملک اک کہانی''، خدیجہ مشور کا ''پو پھٹے''، جگن ناتھ آزاد کا ''پشکن کے دیس میں'' وغیرہ مشہور ہیں۔ ذیل میں اظہار اثر کا تحریر کردہ رپورتاژ ''کل ہند کانفرنس'' کا خلاصہ پیش ہے۔

خلاصہ رپورتاژ:

اُردو کے مشہور ناول نگار اور ادیب اظہار اثر نے اپنے رپورتاژ میں غالب اکیڈیمی دہلی میں 17 اپریل 1976ء کو منعقدہ ''اُردو کے ادیبوں کی کانفرنس'' کا حال بیان کیا ہے۔ اظہار اثر غالب اکیڈیمی کو دہلی کا دل مانتے ہیں جہاں یہ کانفرنس منعقد کی گئی تھی۔ مصنف نے رپورتاژ کے آغاز میں غالب اکیڈیمی کا محل وقوع بیان کیا اور دہلی کے علاقے حضرت نظام الدین میں واقع اس اکیڈیمی کے اطراف موجود یادگاروں درگاہ نظام آباد اور مرزا غالب اور امیر خسرو کی آرام گاہوں کا نقشہ دلچسپ انداز میں کھینچا۔

غالب اکیڈیمی کی چہل پہل بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ یہاں زندگی پورے آب وتاب کے ساتھ رواں دواں ہے۔ کانفرنس میں شرکت کیلئے آئے شاعر وادیب اور مندوبین اک دوسرے سے زور وشور سے گفتگو کررہے تھے۔ غالب اکیڈیمی میں گہما گہمی دیکھ کر لوگ یہاں ہونے والی سرگرمی کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر قمر رئیس، اجمل اجملی اور علی سردار جعفری آپس میں گفتگو میں مصروف ہیں۔ اکیڈیمی کے دفتر میں ایک خاتون مندوبین سے پانچ سو روپئے وصول کررہی ہیں۔ ہال کے ایک توشے میں عصمت چغتائی، قرۃ العین حیدر، غلام ربانی تاباں اور کیفی اعظمی کسی مسئلہ پر گفتگو کررہے ہیں۔ کانفرنس میں شرکت کیلئے ہندوستان کے مختلف علاقوں سے اور خاص طور سے بھوپال، امروہہ، لکھنو، کانپور، مالیگاؤں اور بمبئی سے مندوبین آتے ہیں۔

اظہار اثر لکھتے ہیں کہ یہ ہلچل صرف دِلّی میں نہیں بلکہ سارے ہندوستان کے ترقی پسند ذہنوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ کچھ لوگ مخالفت کررہے ہیں۔ امریکہ کے تائید کرنے والا ماہ نامہ ''تحریک'' کانفرنس سے متعلق خدشات کا اظہار کررہا ہے۔ ترقی پسند لوگ نئے سرے سے اپنی تنظیم کرنے کیلئے غالب اکیڈیمی میں جمع ہوتے ہیں۔

غلام ربانی تاباں ڈائس پر آتے ہیں اور اجلاس کی کارروائی شروع کرتے ہوئے مجلس صدارت کے ناموں کا اعلان کرتے ہیں۔ جن میں عصمت چغتائی، قرۃ العین حیدر، ڈاکٹر محمد عقیل، کیفی اعظمی اور سردار جعفری ہیں۔ آنند نرائن صدر استقبالیہ کمیٹی کے صدر تھے۔ جنرل سکریٹری کی رپورٹ پڑھنے کیلئے اجمل اجملی کو دعوت دی جاتی ہے۔ سردار جعفری تنظیم میں نئی روح پھونکنے کی بات کررہے تھے۔ قاضی عبدالغفار نے بحث کرتے ہوئے کہا کہ رپورٹ میں علی گڑھ کا نام نہیں لیا گیا اور نہ وہاں کے ارکان کو کانفرنس میں مدعو کیا گیا۔ مقررین کانفرنس کے اُمور نوٹ کررہے تھے اور اظہار اثر سے بھی نوٹ کرنے کیلئے کہہ رہے تھے۔ کانفرنس میں احمد جمال پاشاہ اور اُن کی بیگم بھی شریک تھے۔ جاں نثار اختر اور مجروح کی نظموں اور غزلوں کا تذکرہ ہوتا ہے۔ چین کے حملے کے موقع پر احتجاجی ادب تخلیق نہ کئے جانے کی باتیں کی گئیں۔ ہندی ادیب بھیشم ساہنی نے سماجی جدوجہد سے ادیبوں اور شاعروں کو جُڑ جانے کا مشورہ دیا اور مسائل کے حل پیش کرنے کی تلقین کی۔ کانفرنس میں انیس

جلالی، ڈاکٹر سید محمد عقیل، کشمیری لال ذاکر، قرۃ العین حیدر، کوثر چاند پوری اور خلیق انجم نے خطاب کیا۔ اس طرح اظہار اثر نے دہلی کے غالب اکیڈیمی میں منعقدہ اس کانفرنس کا حال دلچسپ انداز میں بیان کیا۔ کانفرنس کے ہنگامے، سوال و جواب، لوگوں کا انداز، کھانے کی محفلیں اور دیگر جزئیات کو اس انداز میں بیان کیا کہ قاری کو یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ خود بھی کانفرنس میں شریک رہا ہے۔ یہی رپورتاژ کی خصوصیت ہے۔

تبدیل شدہ نصاب

خارج کردہ نصاب : مضمون۔ قدیم اردو میں نیچرل شاعری۔ از: نصیر الدین ہاشمی

شامل کردہ نصاب : مضمون۔ ضلع نظام آباد کی اردو صحافت۔ از۔ رفیق شاہی

رفیق شاہی

تعارف: محمد عبدالرفیق ضلع نظام آباد کے علمی، ادبی اور صحافتی حلقوں میں رفیق شاہی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ نظام آباد کے نامور صحافی جناب ایم اے رشید مرحوم کے منجھلے فرزند ہیں۔ ان کی پیدائش 25/ جون 1960ء کو نظام آباد میں ہوئی۔ والد ایم اے رشید اردو ۔ تلگو اور انگریزی زبانوں میں اخبارات نکالتے تھے۔ والدہ محترمہ رحیم النساء بیگم پیشہ تدریس سے وابستہ تھیں۔ رفیق شاہی کو بچپن ہی سے علمی و ادبی ماحول ملا۔ نظام آباد کے مدارس آغا خان اسکول، گورنمنٹ ہائی اسکول خلیل واڑی اور گورنمنٹ بوائز جونیر کالج نظام آباد میں تعلیم حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے حیدر آباد گئے۔ انوار العلوم ڈگری کالج سے بی اے کیا۔ 1987ء میں جامعہ عثمانیہ سے اردو میں ایم اے کیا۔ اور بھارتیہ ودیا بھون حیدر آباد سے جرنلزم کا ڈپلوما کامیاب کیا۔ اردو پنڈت ٹریننگ بھی کی۔

رفیق شاہی کو ابتدا سے ہی مضمون نگاری کا شوق رہا۔ ان کے تحریر کردہ معلوماتی مضامین بمبئی اور بنگلور کے بشمول ملک بھر کے مختلف اخباروں رسائل اور جرائد میں شائع ہو کر مقبول ہوئے۔ رفیق شاہی کی تصنیف ''آندھرا پردیش تب اور اب'' کافی مشہور ہوئی۔ اس کتاب کی رسم اجراء دفتر روز نامہ سیاست پر جناب عابد علی خان مرحوم مدیر روز نامہ سیاست کے ہاتھوں نومبر 1991ء میں عمل میں آئی۔ رفیق شاہی حیدر آباد کی مختلف نیوز ایجنسیوں سے وابستہ رہے۔ ان کی ادارت میں جولائی 1995ء سے ہفتہ وار اخبار ''للکار'' پابندی سے شائع ہو رہا ہے۔ اس طرح وہ نظام آباد کے سرکردہ صحافیوں میں شمار ہوتے ہیں۔

نظام آباد میں اردو صحافت کا ارتقاء (مضمون)

ضلع نظام آباد ریاست آندھرا پردیش کے علاقہ تلنگانہ کا اہم ضلع ہے۔ اس ضلع میں اردو زبان و ادب اور صحافت کی ترقی ابتدائی دور سے رہی ہے۔ اور گذشتہ 60 سال میں حیدر آباد کے بعد سارے آندھرا پردیش میں یہ ضلع اردو صحافت کے فروغ میں نمایاں رہا۔ یہاں سے نکلنے والے اردو اخبارات نے ہر زمانے میں عوامی اور قومی مسائل کو اجاگر کیا اور لوگوں کی رہبری کی۔ خاص طور سے سقوط حیدر آباد کے بعد

مصیبت زدہ اقلیتی عوام اور مستقبل کے اندیشوں میں گھرے لوگوں کی رہنمائی کے لئے شہر نظام آباد سے بتدریج شائع ہونے والے اردو اخبارات اور رسائل نے کلیدی رول انجام دیا۔ یہاں ملک کی آزادی کے بعد سب سے پہلے حیدرآباد سے تعلق رکھنے والے صحافی جناب صابری مرحوم نے ایک اردو روزنامہ ''زندگی'' جاری کیا۔ جس کی مجلس ادارت میں جناب احسن علی مرزا (سابق سب ایڈیٹر ''سیاست'' حیدرآباد) اور جناب اعجاز قریشی (چیف ایڈیٹر ''بھارت نیوز سرویس'' حیدرآباد) جیسی مایہ ناز شخصیتیں شامل تھیں۔ مذکورہ روزنامہ کئی ماہ تک شائع ہونے کے بعد مسدود ہوگیا۔ ایک اور نامور صحافی مرحوم جناب معصوم رومانی (سابق سب ایڈیٹر روزنامہ ''سیاست'' حیدرآباد اور روزنامہ ''انگارے'' حیدرآباد) کی ادارت میں روزنامہ ''سویرا'' محلّہ اسلامیہ سے کچھ عرصے تک شائع ہوتا رہا۔ بعد ازاں موصوف حیدرآباد منتقل ہوگئے۔ اسی دوران سندھی طبقے کے صحافی جناب شرما نے بھی شہر نظام آباد سے روزنامہ ''عوام'' اخبار جاری کیا۔ جو کچھ عرصے بعد نا مساعد حالات کا شکار ہوگیا۔ اسی طرح مرحوم مرتضیٰ مجتہدی کی ادارت میں ایک ماہنامہ ''رومان'' بھی یہاں سے شائع ہوا تھا۔ تاہم متذکرہ اخبارات اور رسائل نے مقامی مسائل کو حتی المقدور منظر عام پر لانے کی کوشش کی۔ 11 جولائی 1953ء کو جناب ایم اے رشید کی ادارت میں ہفتہ وار ''للکار'' شروع ہوا۔ اس اخبار نے بہت جلد مقبولیت حاصل کی۔ اور اردو صحافت میں اپنی شناخت بنائی۔ ملک کی آزادی سے قبل جناب غلام احمد کاشانہ نا بطی کے زیر ادارت ایک اردو ماہنامہ ''اہل دہ'' بھی نکلتا تھا۔ ضلع نظام آباد سے 11 جولائی 1953ء تا 20 اپریل 2012ء کے درمیان جملہ (48) مقامی اردو اخبارات و جرائد کی اشاعت عمل میں آئی۔ جن میں (14) روزنامہ جات (24) ہفتہ وار (2) پندرہ روزہ اور (8) ماہنامے شامل ہیں۔ ان تمام میں سے اس وقت (4) روزنامہ جات نظام آباد مارننگ ٹائمز' محور نظام آباد' آج کا تلنگانہ اور شہباز دکن (5) ہفتہ وار للکار' فکر جمہور' نظام آباد اربن نیوز' اربن نیوز اور انوار دکن کے علاوہ (4) ماہنامے گونج' بساط ذکر و فکر' تمہید اور التوحید منظر عام پر ہیں۔ روزنامہ آج کا تلنگانہ مدیر سید اسد کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ نظام آباد کا پہلا اور واحد اخبار ہے جو انٹرنیٹ پر دستیاب ہے۔ اور ساری دنیا میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اس طرح نظام آباد کی اردو صحافت ضلع کی سرحدوں سے نکل کر ساری دنیا میں پھیل گئی ہے۔

ریاست آندھرا پردیش کی تشکیل کے بعد ضلع مستقر سے شائع ہونے والا پہلا اردو روزنامہ ''نظام آباد مارننگ ٹائمز'' اور پہلا اردو ہفتہ وار اخبار ''للکار'' ہے۔ ذیل میں نظام آباد سے وابستہ اردو کے نامور صحافیوں کا تعارف اور آخر میں نظام آباد سے نکلنے والے اردو اخبارات کی فہرست دی جارہی ہے۔

ایم اے رشید (مرحوم): جناب ایم اے رشید کی پیدائش 27 اپریل 1931ء کو کندوکور ضلع نیلور میں ایک متوسط گھرانے میں ہوئی۔ انہوں نے سرپور کاغذ نگر فیکٹری میں کچھ عرصہ اسٹینو گرافر کام کیا۔ اس دوران مختلف ٹریڈ یونین تحریکوں سے متاثر ہوکر مسرز مرحوم کامریڈ مخدوم محی الدین' آنجہانی ڈاکٹر راج بہادر گوڑ' ٹی ایم خان اور آنجہانی راجہ رام جیسے ہم خیال ساتھیوں کے ساتھ تعلقات استوار کئے۔ اور کئی سماجی اور فلاحی تحریکوں میں کام کیا۔ جناب ایم اے رشید کے زیر ادارت ہفتہ وار اخبار ''للکار'' کا اجراء 11 جولائی 1953ء کو عمل میں آیا۔ ان کی ادارت میں تلگو روزنامہ اور ہفتہ وار اخبار اور انگریزی ہفتہ وار اخبار بھی کئی سال تک نکلتے رہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے حیدرآباد کے مشہور اخبار ''سیاست'' کے بشمول کئی اخبار کے لئے نظام آباد سے نامہ نگاری کے فرائض بھی انجام دئے۔ انہوں نے آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد' دوجے واڑہ اور نظام آباد کے لئے بہ حیثیت ضلعی نامہ نگار خدمات انجام دیں۔ انہوں نے نظام آباد میں 42 سال تک صحافتی خدمات انجام دیں۔ انہیں ''بابائے اردو صحافت نظام آباد'' کا بھی لقب دیا گیا۔

خواجہ اسد علی جوہر: خواجہ اسد علی جوہر نظام آباد کہ نہ صرف عوامی رہنما تھے بلکہ ایک بے لاگ صحافی بھی تھے۔ 1948ء میں پولیس ایکشن سے قبل مرحوم نے اپنی بے لاگ تحریروں سے ملت کو وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کا مشورہ دیا۔ انہیں چنچل گوڑہ جیل میں قید کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد 1959ء میں ہفتہ وار ''ہمارا ہندوستان نظام آباد'' کے مینیجنگ ایڈیٹر تھے۔ قائد ملت بہادر یار جنگ کے قریبی رفیق تھے۔ 1982ء میں ایک ہفتہ وار ''آئیٹم'' بھی جاری کیا۔ موصوف کا انتقال 1994ء میں ہوا۔

اختر امتیاز: نظام آباد کے ایک اور مشہور صحافی گذرے ہیں۔ صحافت سے وابستہ ہونے سے قبل حیدرآباد سے نکلنے والے روزناموں میں مضامین لکھتے تھے۔ بعد میں نظام آباد منتقل ہوئے۔ اور ''ہمارا ہندوستان'' جاری کیا۔ بعد میں موصوف نے روزنامہ ''رہنمائے دکن'' اور ''کرنٹ نیوز سرویس'' حیدرآباد کے لئے نظام آباد کے نامہ نگار کے طور پر کام کیا۔ انہیں نظام آباد جرنلسٹس اسوسی ایشن کے نائب صدر کی حیثیت سے 6 سال تک خدمات انجام دینے کا بھی اعزاز حاصل رہا۔ ان کے زیرنگرانی 1994ء میں ایک شام نامہ ''یکجہتی'' بھی نکلا۔ جو کچھ عرصے کے بعد بند ہو گیا۔ 1989ء تا 2011ء نظام آباد مارننگ ٹائمز اخبار کے سب ایڈیٹر رہے۔ ان دنوں ''نظام آباد نیوز'' اردو اخبار میں بہ حیثیت سب ایڈیٹر اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

عابد انصاری (مرحوم): آپ کا پورا نام خواجہ معین الدین عابد انصاری تھا۔ موصوف کی پیدائیش 1917ء میں نظام آباد کے ایک متمول گھرانے میں ہوئی۔ والد جانب یوسف علی محکمہ مال میں سررشتہ دار تھے۔ ابتدا میں شاعری کی۔ کچھ عرصہ نظام شوگر فیکٹری میں ملازم رہے بعد میں حیدرآباد منتقل ہو گئے۔ نواب بہادر یار جنگ کے پرسنل سکریٹری رہے۔ نواب صاحب کی فرمائیش پر ایک اردو ہفتہ وار ''عطارد'' شائع کیا۔ والدین کے اصرار پر نظام آباد منتقل ہو گئے۔ یکم جنوری 1960ء سے ''پرجا'' نامی ایک اردو ہفتہ وار اخبار جاری کیا۔ جو 1987ء تک نکلتا رہا۔ انہوں نے روزنامہ سیاست کی نامہ نگاری بھی کی۔ 27 جولائی 1988ء کو 68 سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔

این آر چھگل: نرسمہا رراؤ چھگل شہر نظام آباد کے ایک ممتاز غیر مسلم اردو صحافی تھے۔ انہوں نے 1965ء میں ہفتہ وار ''عوام'' اخبار جاری کیا۔ بعد میں انہوں نے 1970ء میں ''ڈسٹرکٹ نیوز'' اردو ہفتہ وار جاری کیا۔ جو ان کے انتقال تک مسلسل نکلتا رہا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اپنے انتقال سے تین سال قبل انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور ان کا اسلامی نام نعیم الرحمٰن رکھا گیا تھا۔

ابراہیم عزیز (مرحوم): شہر حیدرآباد میں مختلف نیوز ایجنسیوں میں کام کرنے کے بعد نظام آباد منتقل ہوئے۔ 1967ء میں اردو ہفتہ وار ''نظام آباد بلیٹن'' جاری کیا۔ ان کا اخبار عادل آباد میں بھی مشہور تھا۔ 1982ء میں ان کے انتقال کے بعد یہ اخبار بند ہو گیا۔

محمد یوسف الدین (مرحوم): محمد یوسف الدین مرحوم شہر نظام آباد کے ایک معزز گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد محمد برہان الدین مرحوم ضلع نظام آباد کے نامور قانون داں تھے۔ موصوف کی ادارت میں 1967ء تا 1980ء کے دوران ایک اخبار ''رنگ زمانہ'' پابندی سے نکلتا رہا۔ حیدرآباد منتقل ہو گئے۔ 2009ء میں ان کا انتقال ہوا۔

تبسم فریدی: اصلی نام غلام فرید الدین خان ہے۔ تاہم نظام آباد کی اردو صحافت میں تبسم فریدی کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ 1970ء سے صحافتی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان کی ادارت میں ایک فلمی ماہنامہ ''تفریحات'' 1960 میں کچھ عرصے کے لئے نکلا۔ 1970ء میں ایک ہفتہ وار ''پرچم اتحاد'' نکلا جو 1988ء تک جاری رہا۔ اس کے بعد تبسم فریدی کی ادارت میں یکم جون 1989ء سے ایک اردو روزنامہ ''نظام آباد ٹائمز'' جاری ہوا۔ 1994ء میں چند وجوہات کی بناء اس اخبار کا نام ''نظام آباد مارننگ ٹائمز'' کر دیا گیا۔ جو آج بھی

پابندی سے نکلتا ہے۔اور تمام ضلعی اخبارات میں اردو کا معیاری اخبار مانا جاتا ہے۔تبسم فریدی نے روزنامہ ''رہنمائے دکن'' حیدرآباد اور ''بلٹز'' اردو بمبئی اور ''منصف'' حیدرآباد کے لئے بھی اپنی خدمات انجام دیں۔انہوں نے افسانے بھی لکھے۔ان کے افسانے ''بیسویں صدی'' میں شائع ہوئے۔اردو اکیڈیمی آندھراپردیش کی جانب سے 2009ء میں انہیں صحافتی خدمات پر ''محبوب حسین جگر'' کارنامہ حیات ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔شہر نظام آباد میں اردو ایکشن کمیٹی اور دیگر فلاحی خدمات کے ذریعے انہوں نے اردو کے فروغ میں نمایاں خدمات انجام دیں۔

حافظ سید معظم علی (مرحوم): حافظ سید معظم علی شہر نظام آباد کے ایک معزز علمی و دینی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔کئی سال تک پیشہ تدریس سے وابستہ رہے۔5اکٹوبر 1971ء کو ہفتہ وار اخبار ''فکر جمہور'' جاری کیا۔ان کے اخبار میں مذہبی علمی اور ادبی سرگرمیوں کو نمایاں اہمیت دی جاتی ہے۔27 نومبر 2007ء کو ان کا انتقال ہوا۔اب یہ اخبار ان کے بڑے بیٹے سید عثمان علی (شوکت) کی ادارت میں ہر ہفتہ شائع ہو رہا ہے۔

جمیل نظام آبادی: عبدالباری نام اور جمیل تخلص ہے۔جمیل نظام آبادی کے قلمی نام سے مشہور ہیں۔ ماہ فروری 1973ء کو ہفتہ وار ''گونج'' اخبار جاری کیا۔جو بعد میں ماہنامہ ادبی میگزین میں بدل گیا۔جو اپنی اشاعت کے 40 سال مکمل کر چکا ہے۔جمیل نظام آبادی اردو اکیڈیمی علاقائی مرکز میں بہ حیثیت مینیجر وابستہ ہیں۔صحافی ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک اچھے شاعر اور افسانہ نگار بھی ہیں۔ان کے کئی شعری مجموعے مقبول ہو چکے ہیں۔

کاظم علی خان (مرحوم): شہر نظام آباد کے علمی و ادبی حلقوں میں کاظم علی خان کا نام محتاج تعارف نہیں۔زمانہ طالب علمی سے دفتر مجلس بلدیہ نظام آباد میں ملازمت تک کا عرصہ ان کے شعری ذوق کو پروان چڑھاتا رہا۔وظیفہ پر سبکدوشی کے بعد انجمن ترقی اردو شاخ نظام آباد کے سکریٹری کی حیثیت سے اردو مسائل کے سلسلے میں ارباب حکومت سے نمائندگیاں کیں۔آپ کی ادارت میں جون 1978ء میں ہفتہ وار اخبار ''نوید سحر'' طویل عرصے تک شائع ہوتا رہا۔موصوف کے 2005ء میں انتقال کے بعد بند ہو گیا۔

سید معزالدین شاہین (مرحوم): موصوف کا شمار 1996ء سے روزنامہ ''سیاست'' حیدرآباد کے کالم نگاروں میں ہوتا ہے۔ وہ 1988ء تا 2007ء روزنامہ ''سیاست'' کے نظام آباد سے مسلمہ نامہ نگار تھے۔اردو زبان اور سماجی مسائل کی تحریکوں میں بے باکی سے حصہ لیا۔

شیخ مجاہد علی زاہد (مرحوم): موصوف نے شروعات میں مقامی ہفتہ وار ''فکر جمہور'' میں جوائنٹ ایڈیٹر کی حیثیت سے صحافتی خدمات انجام دیں۔بعد میں روزنامہ ''منصف'' حیدرآباد کے لئے نظام آباد سے نامہ نگاری کی۔انہوں نے روزنامہ ''عوام'' حیدرآباد۔انڈین نیوز سرویس حیدرآباد۔اور انٹرنیشنل جریدہ ''ٹائمز'' نئی دہلی کے لئے بہ طور نامہ نگار کام کیا۔1997ء میں گردے کے عارضہ کے سبب نوجوانی میں انتقال ہو گیا۔

جمیل احمد خان: روزنامہ ''رہنمائے دکن'' حیدرآباد کے گذشتہ کئی سال سے مقامی نمائندے ہیں۔دوشنبہ ایڈیشن میں ان کی فکر انگیز تحریریں شائع ہوتی ہیں۔

سید نجیب علی: ان کے والد سید یعقوب علی نظام آباد کے مشہور مدرس تھے۔ 1989ء میں دکن نیوز سرویس حیدرآباد سے بہ حیثیت نامہ نگار اپنی صحافتی زندگی کا آغاز کیا۔بعد میں اپنی ادارت میں 1991ء تا 1994ء ایک اردو شام نامہ ''رہبر نظام آباد'' جاری کیا۔اس کے علاوہ روزنامہ ''منصف'' حیدرآباد کے نامہ نگار کے طور پر جانے جاتے ہیں۔اس کے علاوہ ان کے مضامین نئی دہلی کے ''رفیق منزل'' اور ''افکار ملی'' رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔انہوں نے 1994ء میں جامعہ عثمانیہ سے وکالت کی ڈگری حاصل کی۔وہ ریاستی اردو اکیڈیمی میں بہ حیثیت رکن بورڈ آف گورنرس کے علاوہ ریاستی حج کمیٹی کے رکن کے عہدے پر بھی فائز رہے۔شعلہ بیان مقرر ہیں۔اور اردو کے مسائل کے حل کے لئے

جدوجہد کرتے ہیں۔
احمد علی خان: موصوف 1992ء میں روزنامہ ''رہبر نظام آباد'' میں نمائیندہ خصوصی کی حیثیت سے اردو صحافت کی دنیا میں داخل ہوئے۔ بعد میں 1997ء تا 2008ء سنٹرل نیوز آف انڈیا حیدرآباد کے لئے ضلع نظام آباد کے نامہ نگار کے طور پر کام کیا۔ بعد میں مقامی ٹیلی ویژن CVN نیوز کے لئے کام کیا۔ان دنوں روزنامہ ''آج کا تلنگانہ'' کے نامہ نگار ہیں۔
اشفاق احمد خان: ضلع نظام کے صحافتی حلقوں میں ''پاپا خان'' کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ان دنوں روزنامہ ''مارننگ ٹائمز'' ضلع نظام آباد میں بہ حیثیت اسٹاف رپورٹر کام کررہے ہیں۔سینئر اردو صحافی تبسم فریدی ایڈیٹر ''نظام آباد مارننگ ٹائمز'' کے دوسرے فرزند ہیں۔اشفاق احمد خان APUWJ شاخ نظام آباد کے 2002ء کے دوران بلا مقابلہ صدر منتخب ہوئے۔سابق میں میونسپل کارپوریشن ضلع نظام آباد میں بہ طور معاون رکن فائز رہے۔
محمد جاوید علی: کاماریڈی اور نظام آباد سے روزنامہ ''سیاست'' کے نامہ نگار ہیں۔ 1987ء میں پیشہ صحافت سے وابستہ ہوئے۔اور مسلسل روزنامہ ''سیاست'' سے ہی وابستہ ہیں۔سابق میں APUWJ شاخ نظام آباد کے صدر منتخب ہوئے۔کاماریڈی میں ان کی صحافتی خدمات کے اعتراف میں چار مرتبہ انہیں ''بیسٹ اردو جرنلسٹ ایوارڈ'' دیا گیا۔
ایم اے ماجد: روزنامہ ''راشٹریہ سہارا'' کے لئے ضلع نظام آباد کے نامہ نگار ہیں۔موصوف جناب ایم اے سلام موظف نظام آباد ڈیری فارم کے فرزند ہیں۔1996ء میں روزنامہ ''نظام آباد مارننگ ٹائمز'' میں بہ حیثیت سٹی رپورٹر کام کیا۔اسی سال ''ساز دکن'' حیدرآباد اور ''ہمارا عوام'' حیدرآباد کے ضلعی نامہ نگار کے طور پر کام کیا۔سابق میں APUWJ کے ضلعی نائب صدر اور پریس کلب نظام آباد کے نائب صدر کے عہدے پر تین مرتبہ فائز رہے۔
ایم اے مقیت فاروقی: روزنامہ ''اعتماد'' کے ضلعی رپورٹر ہیں۔اردو کے نامور افسانہ نگار رہے۔ان کے افسانے ''بیسویں صدی' خاتون مشرق' گلابی کرن' گونج' سیاست اور منصف میں شائع ہوتے رہے۔کچھ عرصہ جز وقتی لیکچرر کے طور پر بھی کام کیا۔ 2001ء تا 2005ء روزنامہ ''ہمارا عوام'' کے ضلعی نامہ نگار رہے۔ضلع نظام آباد کے سینئر صحافیوں میں شمار ہوتے ہیں۔
سید اسد: روزنامہ ''آج کا تلنگانہ'' کے مدیر ہیں۔ضلع نظام آباد میں اشتہاری صحافت کو فروغ دیا۔2008ء سے جاری اخبار کو اب انٹرنیٹ پر بھی پیش کیا۔اور ضلع نظام آباد سے اردو ای اخبار نکالنے والے واحد صحافی ہیں۔اپنی اختراعی کوششوں سے اردو صحافت میں نام پیدا کیا۔ادارہ آج کا تلنگانہ کے نام پر ہر سال غریب طلبا کو اسکالرشپ دے رہے ہیں۔
نظام آباد کے دیگر صحافی: نظام آباد سے چھوٹے بڑے اور بھی اخبارات نکل رہے ہیں۔اور ان سے وابستہ نوجوان صحافی ہیں۔ان میں عابد حسین شمع نیازی مدیر شہباز دکن۔عبدالقدیر مقدر مدیر تمہید ماہنامہ۔محمد اویس خان مدیر اربن نیوز۔سید یٰسین علی مدیر انوار دکن۔ایم اے عظیم مدیر التوحید ماہنامہ۔شامل ہیں۔اس طرح ضلع نظام آباد کی صحافتی تاریخ نئے اور پرانے صحافیوں کی خدمات کو اجاگر کرتی ہے۔

مختصر سوالات: ۱) رفیق شاہی کا تعارف بیان کیجئے۔ ۲) نظام آباد کے کسی ایک صحافی کا تعارف بیان کیجئے۔

۳) نظام آباد سے ان دنوں جاری ہونے والے اخبارات کے نام لکھئے۔

طویل سوالات: ۱) ضلع نظام آباد کے نامور صحافیوں کا تعارف پیش کیجئے۔

۲) ضلع نظام آباد میں اردو صحافت کی ترقی کا جائزہ پیش کیجئے۔

۳) ضلع نظام آباد کے موجودہ چند صحافیوں کا تعارف پیش کیجئے۔

ضلع نظام آباد سے جاری ہونے والے اخبارات کی فہرست

سلسلہ نشان	اخبار/جریدہ کا نام	روزنامہ/ہفتہ وار/ماہنامہ	بانی/ایڈیٹر کا نام	تاریخ اجرائی	کیفیت
۱۔	للکار	ہفتہ وار	ایم اے رشید/رفیق شاہی	۱۱۔جولائی ۱۹۵۳ء	جاری
۲۔	گلستان	ماہنامہ	انور مسرور	۱۹۵۶ء	چند شمارے
۳۔	ہمارا ہندوستان	ہفتہ وار	اختر امتیاز	یکم جنوری ۱۹۵۹ء	۳۵ سال
۴۔	پرچا	ہفتہ وار	عابد انصاری	یکم جنوری ۱۹۶۰ء	۱۹۸۷ء تک
۵۔	تفریحات	ماہنامہ	تبسم فریدی	۱۹۶۰ء	چند شمارے
۶۔	عوام	ہفتہ وار	این آر چھگل	۱۹۶۵ء	چند سال
۷۔	نظام آباد بلیٹن	ہفتہ وار	ابراہیم عزیز	یکم جنوری ۱۹۶۷ء	۱۹۸۲ء تک
۸۔	رنگ زمانہ	ہفتہ وار	محمد یوسف الدین	یکم جنوری ۱۹۶۷ء	۱۹۸۰ء تک
۹۔	لیڈر	ہفتہ وار	منیر الدین جمال	۱۹۶۷ء	چند سال
۱۰۔	ڈسٹرکٹس نیوز	ہفتہ وار	این آر چھگل	۲۳ جولائی ۱۹۷۰ء	۲۰ سال
۱۱۔	نظام آباد اردو ٹائمز	پندرہ روزہ	محبوب مرزا	۷۔اپریل ۱۹۷۰ء	چند شمارے
۱۲۔	پرچم اتحاد	ہفتہ وار	تبسم فریدی	۱۹۷۰ء	۱۹۸۸ء تک
۱۳۔	آب وآتش	ماہنامہ	مغنی صدیقی	۱۰ نومبر ۱۹۷۱ء	۶۔شمارے
۱۴۔	فکر جمہور	ہفتہ وار	حافظ سید معظم علی/سید عثمان علی	۱۵ اکٹوبر ۱۹۷۱ء	جاری
۱۵۔	معمار ((آرمور)	ہفتہ وار	اے آر جاوید	۷۔ڈسمبر ۱۹۷۱ء	جاوید
۱۶۔	چمن زار	ماہنامہ	محمد یوسف خان	۱۹۔جنوری ۱۹۷۲ء	چند سال
۱۷۔	گونج	ماہنامہ	جمیل نظام آبادی	۲۸۔ڈسمبر ۱۹۷۲ء	جاری
۱۸۔	اردو کرنٹ	ہفتہ وار	وحید ارشد	۱۸۔جنوری ۱۹۷۳ء	چند شمارے
۱۹۔	نوید سحر	ہفتہ وار	کاظم علی خان	جون ۱۹۷۸ء	چند سال
۲۰۔	ائیٹم	ہفتہ وار	خواجہ اسد علی جوہر	۱۴ سپٹمبر ۱۹۸۲ء	۱۰ سال
۲۱۔	فیوز	لسانی ماہنامہ	خالد بن حضری	۸۔اکٹوبر ۱۹۸۲ء	۳۰ سال
۲۲۔	نیو آرمور ٹائمز	ہفتہ وار	اے ایچ شکیل	۲۴۔جولائی ۱۹۸۷ء	چند سال
۲۳۔	بساط ذکر وفکر (آرمور)	ماہنامہ	یعقوب سروش/فرید محمود	۱۵۔نومبر ۱۹۸۷ء	جاری

۲۴۔	نظام آباد مارننگ ٹائمز	روزنامہ	تبسم فریدی	یکم جون ۱۹۸۹ء	جاری
۲۵۔	رہبر نظام آباد	روزنامہ	سید نجیب علی	۱۹۹۱ء	۴ سال جاری
۲۶۔	منشور	ہفتہ وار	سید نیر حسین	۱۱ فروری ۱۹۹۱ء	چند سال اشاعت
۲۷۔	یکجہتی	روزنامہ	اختر امتیاز	اکتوبر ۱۹۹۴ء	چند شمارے
۲۸۔	رہبر تلنگانہ	ہفتہ وار	میر کاظم علی	۱۹۹۵ء	چند سال جاری
۲۹۔	آج کا نیتا	ہفتہ وار	اے رشید خان	۴۔ اگست ۱۹۹۵ء	چند سال جاری
۳۰۔	ترجمان نظام آباد	روزنامہ	ایم اے مقیت	۱۹۹۸ء	چند شمارے
۳۱۔	آج کا نظام آباد	روزنامہ	ایم اے صمیم	۳۰۔ اکتوبر ۲۰۰۲ء	چند سال جاری
۳۲۔	بلاد	روزنامہ	ایم اے رؤف اعظمی	۱۲ مئی ۲۰۰۳ء	۸ سال تک جاری
۳۳۔	محور نظام آباد	روزنامہ	محمد غوث	۷۔ اکتوبر ۲۰۰۵ء	جاری
۳۴۔	تلنگانہ سماچارم	روزنامہ	محمد یوسف الدین خان	۱۴ جولائی ۲۰۰۵ء	چند سال
۳۵۔	نظام آباد نیوز	روزنامہ	محمد انور خان	۱۵ جولائی ۲۰۰۵ء	جاری
۳۶۔	یکجہتی	ہفتہ وار	ایم اے رؤف اعظمی	۲۰۰۵ء	چند شمارے
۳۷۔	صوفی ازم	پندرہ روزہ	عابد حسین شمع نیازی	۱۰ مارچ ۲۰۰۶ء	جاری
۳۸۔	ہمارا انتخاب	روزنامہ	محمد بلیغ احمد	۲۲ مارچ ۲۰۰۶ء	عدم اشاعت
۳۹۔	توازن	روزنامہ	محمد نعیم قمر	۲۶ اپریل ۲۰۰۶ء	چند شمارے
۴۰۔	اردو ورلڈ	ہفتہ وار	ایم اے قوی	۷ اگست ۲۰۰۶ء	عدم اشاعت
۴۱۔	آج کا تلنگانہ	روزنامہ	سید اسد	۱۳ فروری ۲۰۰۸ء	جاری
۴۲۔	شہباز دکن	روزنامہ	عابد حسین شمع نیازی	۱۲ مارچ ۲۰۰۹ء	جاری
۴۳۔	تمہید	ماہنامہ	ایم اے قدیر مقدر	۱۹ مئی ۲۰۱۰ء	جاری
۴۴۔	اربن نیوز	ہفتہ وار	محمد اویس خان	۱۹ مئی ۲۰۱۰ء	جاری
۴۵۔	انوار دکن	ہفتہ وار	سید یٰسین علی افسر	۲۵ اگست ۲۰۱۱ء	جاری
۴۶۔	نظام آباد شہر نامہ	روزنامہ	ایم اے لئیق	۷ ستمبر ۲۰۱۱ء	جاری
۴۷۔	التوحید	ماہنامہ	ایم اے عظیم	۷ مارچ ۲۰۱۲ء	جاری
۴۸۔	تبصرہ نظام آباد	ہفتہ وار	لطیف علیم الدین	۲۰ اپریل ۲۰۱۲ء	عدم اشاعت

معروضی سوال جواب برائے انٹرنل امتحان ڈگری سال دوم بی اے بی ایس سی بی کام

☆ مثنوی کا لفظ کس زبان کے لفظ سے بنا ہے۔(عربی زبان کے لفظ۔مثنیٰ) سے

☆ مثنوی کسے کہتے ہیں۔(طویل بیانیہ نظم)

☆ مثنوی کی اہم خصوصیت کیا ہے۔(مافوق الفطرت عناصر)

☆ مثنوی کس دور کی یادگار ہے(شاہی دور)

☆ اردو کی پہلی مثنوی کونسی ہے اور اسے کس نے لکھا(کدم راؤ پدم راؤ۔فخر دین نظامی)

☆ مثنوی قطب مشتری کس نے لکھی(ملاوجہی)

☆ مثنوی سحر البیان کس نے لکھی(میر حسن)

☆ مثنوی گلزار نسیم کس نے لکھی(پنڈت دیاشنکر نسیم)

☆ اردو کی دو مشہور منثویاں کونسی ہیں(سحر البیان۔گلزار نسیم)

☆ حالؔی کی مثنویوں کے نام لکھو(چپ کی داد۔مناجات بیوہ)

☆ مثنوی امن نامہ کس نے لکھی(جان نثار اختر)

☆ مثنوی امن نامہ میں کس جذبے کو پیش کیا گیا(وطن سے محبت)

☆ لفظ قصیدہ کس زبان کے لفظ سے بنا ہے(عربی لفظ قصد)

☆ قصد کے معنی کیا ہیں(ارادہ کرنا)

☆ کسی کی تعریف میں لکھی جانے والی نظم کو کیا کہتے ہیں(قصیدہ)

☆ تعریفی قصیدے کو کیا کہتے ہیں(مدحیہ قصیدہ)

☆ تنقیدی قصیدے کو کیا کہتے ہیں(ہجویہ قصیدہ)

☆ قصیدے کے اجزا کیا ہیں(مطلع۔تشبیب۔گریز۔دعا)

☆ قصیدے کے کس حصے میں بہار کا منظر بیان کیا جاتا ہے(تشبیب)

☆ قصیدے میں کیسی زبان استعمال کی جاتی ہے(بھاری بھرکم مشکل)

☆ اردو قصیدے کا نقاش اول کس شاعر کو کہا جاتا ہے(مرزا محمد رفیع سوؔدا)

☆ اردو قصیدے کو زوال کب آیا(شاہی دور کے زوال کے بعد)

☆ درشان حمید الدولہ قصیدہ کس نے لکھا(شیخ ابراہیم ذوقؔ)

☆ درشان حمید الدولہ قصیدہ کس کی شان میں لکھا گیا (نواب حمید الدولہ)

☆ درشان حمید الدولہ قصیدہ کس موقع پر لکھا گیا (عید کے موقع پر)

☆ مرثیہ کس زبان کے لفظ سے لیا گیا ہے (عربی لفظ۔رثٰی)

☆ مرثیہ کس قسم کی نظم ہوتی ہے (کسی کی موت پر اس کے اوصاف بیان کرتے ہوئے غم کا اظہار کرنا)

☆ اردو مرثیے میں کس واقعہ کو بیان کیا گیا (واقعہ کربلا)

☆ مرثیے کے کتنے اجزا ہیں (آٹھ)

☆ اردو مرثیے کے دو مشہور شاعر کون ہیں (میر انیسؔ۔مرزا دبیرؔ)

☆ ہندوستان کے کس شہر میں مرثیہ نگاری کو فروغ ملا (لکھنو)

☆ میر انیسؔ کے دادا کا نام کیا ہے (میر حسن)

☆ اردو مرثیے کس ہئیت میں لکھے جاتے ہیں (مسدس)

☆ مسدس کے ہر بند میں کتنے مصرعے ہوتے ہیں (چھ)

☆ مرثیہ گرمی کا سماں کس نے لکھا (میر انیسؔ)

☆ گرمی کا سماں میں کس بات کو پیش کیا گیا (واقعہ کربلا کے دن گرمی کی شدت)

☆ چار مصرعوں والی نظم کو کیا کہتے ہیں۔(رباعی)

☆ رباعی کس بحر میں کہی جاتی ہے (بحر ہزج)

☆ رباعی میں کس قسم کے مضامین پیش ہوتے ہیں (صوفیانہ۔اخلاقی)

☆ اردو رباعی کے مشہور شاعر کون ہیں (امجد حیدر آبادی)

☆ امجدؔ حیدر آبادی کو کیا لقب دیا گیا (سرمد ثانی)

☆ فراقؔ کے رباعیوں کے مجموعے کا نام کیا ہے۔(روپ)

☆ پرساں کوئی کب جوہر ذاتی کا ہے۔۔۔رباعی کس نے لکھی (میر انیسؔ)

☆ دنیا بھی عجب سرائے فانی دیکھی۔۔۔۔رباعی کس نے لکھی (میر انیسؔ)

☆ دنیائے دنی کو نقش فانی سمجھو۔۔۔رباعی کس نے لکھی (الطاف حسین حالیؔ)

☆ یارو نہیں وقت آرام کا یہ۔۔۔۔رباعی کس نے لکھی (الطاف حسین حالیؔ)

☆ افلاس اچھا نہ فکر دولت اچھی۔۔۔۔(رواںؔ جگت موہن لال)

☆ آزاد ضمیر ہو فقیری یہ ہے۔۔۔۔۔رباعی کس نے لکھی (رواںؔ جگت موہن لال)

☆ کوشش ہے اپنی تمام ستائیش کے لئے۔۔۔رباعی کس نے لکھی (امجدؔ حیدر آبادی)

☆ کم ظرف اگر دولت و زر پاتا ہے۔۔۔رباعی کس نے لکھی۔(امجدؔ حیدر آبادی)

☆ حالؔی کی مشہور نظم کونسی ہے(مسدس مدوجزر اسلام)

☆ ''روح رواں'' کس کی رباعیات کا مجموعہ ہے۔(جگت موہن لال رواں)

☆ امجدؔ حیدر آبادی کی سوانح حیات کا کیا نام ہے۔(جمال امجد)

☆ امجدؔ حیدر آبادی کے مضامین کے مجموعے کا نام کیا ہے(حکایات امجدؔ)

☆ قطعہ کس زبان کا لفظ ہے(عربی)

☆ قعطہ کا مفہوم کیا ہے(ٹکڑا۔کاٹا ہوا حصہ)

☆ قطعہ میں کتنے مصرعے ہوتے ہیں(چار یا چھ)

☆ قطعہ کس صنف کا حصہ ہے(قصیدہ۔غزل)

☆ اپنی شاعری کے ذریعے کس شاعر نے مغربی تہذیب کا مذاق اڑایا۔(اکبرؔ الہ آبادی)

☆ فیوچر آف اسلام نامی ترجمہ کس نے کیا۔(اکبرؔ الہ آبادی)

☆ اردو کے کس شاعر کو''سر'' کا خطاب دیا گیا(اقبالؔ)

☆ اقبالؔ کے شعری مجموعوں کے نام لکھو(بانگ درا۔بال جبریل۔ضرب کلیم۔ارمغان حجاز)

☆ اردو کے کس شاعر نے خودی کا فلسفہ پیش کیا(اقبالؔ)

☆ اردو نثر کی قدیم صنف کونسی ہے(داستان)

☆ داستان کس زبان کے لفظ سے لیا گیا ہے(فارسی۔پہلوی)

☆ داستان کسے کہتے ہیں(طویل قصہ۔قصوں کا مجموعہ)

☆ داستان کی ٹکنیک کیا ہوتی ہے(قصہ در قصہ)

☆ داستان میں کونسی کہانیاں بیان کی جاتی ہیں(خیالی)

☆ داستان میں کن عناصر سے مدد لی جاتی ہے(مافوق الفطرت)

☆ اردو کی پہلی داستان کونسی ہے(سب رس)

☆ داستان سب رس کے منصف کون ہیں(ملا وجہی)

☆ کس دور کا شاعر اور داستان نگار تھا(قطب شاہی دور۔دکن)

☆ سب رس کب لکھی گئی(۱۰۴۵۔ہجری)

☆ سب رس میں کونسا قصہ بیان کیا گیا(قصہ حسن ودل)

☆ سب رس کی زبان کیسی ہے(مقفیٰ و مسجع)

☆ داستانیں کس دور کی یادگار ہیں(شاہی دور)

☆ اردو داستانوں کو فروغ کہاں سے ہوا۔(فورٹ ولیم کالج)

☆ فورٹ ولیم کالج کا بانی کون تھا۔(جان گلکرسٹ)

☆ داستان باغ وبہار کس نے لکھی ۔(میر امن)

☆ داستانوں کو زوال کب آیا(شاہی دور کے زوال کے بعد)

☆ ناول کس زبان کا لفظ ہے(اطالوی)

☆ ناول کا مطلب کیا ہے(انوکھا یا نرالا)

☆ ناول میں کہانی کس زندگی کی ہوتی ہے(حقیقی زندگی)

☆ اردو میں ناول نگاری کس زبان سے شروع ہوئی (انگریزی)

☆ اردو کا پہلا ناول کونسا ہے(خط تقدیر از مولوی کریم الدین)

☆ اردو کا پہلا ناول نگار کسے سمجھا جاتا ہے(ڈپٹی نذیر احمد)

☆ نصوح اور سلیم کی گفتگو۔کس ناول کا اقتباس ہے(توبۃ النصوح)

☆ نذیر احمد کے ناولوں کے نام کیا ہیں۔(مراۃ العروس۔ بنات النعش۔توبۃ النصوح۔فسانہ مبتلا۔ایامیٰ۔رویائے صادقہ۔ابن الوقت)

☆ انشائیہ کسے کہتے ہیں (ہلکے پھلکے نثری مضمون کو)

☆ اردو کے مشہور انشائیہ نگار کون ہیں (خواجہ حسن نظامی)

☆ ذوق چائے نوشی انشائیہ کس نے لکھا(ابوالکلام آزاد)

☆ ذوق چائے نوشی مضمون میں کہاں کا ماحول بیان کیا گیا ہے(جیل کا)

☆ ذوق چائے نوشی کس کتاب سے لیا گیا ہے(غبار خاطر)

☆ غبار خاطر کس کے خطوط کا مجموعہ ہے۔(ابوالکلام آزاد)

☆ ابوالکلام آزاد کے جاری کردہ اخبارات کے نام کیا ہیں۔(الہلال۔البلاغ)

☆ اردو میں خط لکھتے ہوئے کون سب سے زیادہ مشہور ہوئے۔(غالب)

☆ غالب کے خطوط کے مجموعوں کے نام کیا ہیں۔(اردوئے معلیٰ۔عود ہندی)

☆ اردو میں کس خاتون ادیبہ کے خطوط مشہور ہیں۔(صفیہ اختر)

☆ صفیہ اختر کے خطوط کی اہمیت کیا ہے۔(نسائی حسیت (عورتوں کے جذبات کی عکاسی)

☆ صفیہ اختر کس مشہور شاعر کی بہن تھیں۔(اسرار الحق مجاز)

☆ صفیہ اختر کس مشہور شاعر کی بیوی تھیں (جان نثار اختر)

☆ صفیہ اختر کے خطوط کے مجموعے کا نام کیا ہے۔(زیر لب)

☆ صفیہ اختر نے اپنے شوہر کو خطوط کہاں سے لکھے۔(علی گڑھ)

☆ جان نثار اختر کہاں رہتے تھے۔(بمبئی)

☆ اردو میں مضمون نگاری کا آغاز کس کالج سے ہوا۔(دلی کالج سے)

☆ قدیم اردو میں نیچرل شاعری۔ مضمون کس نے لکھا۔(نصیر الدین ہاشمی)

☆ نصیر الدین ہاشمی کی مشہور تصنیف کونسی ہے۔(دکن میں اردو)

☆ اردو کا کونسا قدیم اخبار طنز و مزاح کے لئے مشہور تھا۔(اودھ پنچ)

☆ حیدرآباد سے نکلنے والا مشہور مزاحیہ رسالہ کونسا ہے۔(شگوفہ)

☆ مضمون مردہ بدست زندہ'' کس نے لکھا۔(مرزا فرحت اللہ بیگ)

☆ ڈپٹی نذیر احمد کی کہانی کچھ میری کچھ ان کی زبانی۔سوانح کس نے لکھی۔(مرزا فرحت اللہ بیگ)

☆ کسی اجلاس کی روداد لکھے جانے والی صنف کو کیا کہتے ہیں۔(رپورتاژ)

☆ کل ہند کانفرنس رپورتاژ کس نے لکھا۔(اظہار اثر)

☆ کل ہند کانفرنس میں کس کانفرنس کی رپورٹ پیش کی گئی۔(دہلی میں منعقدہ انجمن ترقی پسند مصنفین کی کانفرنس۔

بی اے،بی کام،بی ایس سی سال دوم ماحولیاتی مطالعہ نوٹس معہ ماڈل پیپر

BA,BCom,BSc II Year Environmental Studies

Notes With Model Paper

TIME 2 HOURS- MAX MARKS - 100

نوٹ:ذیل میں سے کوئی پانچ سوالات کے جوابات لکھو 5X20=100

1۔ حیاتیاتی تکثیریت کیا ہے۔حیاتیاتی تکثیریت کے تحفظ کے اقدامات بیان کرو۔

2۔ ماحول کسے کہتے ہیں۔ماحولیاتی نظام کو بیان کرو۔

3۔ قابل تجدید اور نا قابل تجدید توانائی کو بیان کرو۔

4۔ ماحولیاتی آلودگی کسے کہتے ہیں۔فضائی آلودگی کی وجوہات بیان کرو اور اس پر قابو پانے کے اقدامات بیان کرو۔

5۔ آبادی کا دھماکہ کسے کہتے ہیں۔اس پر کیسے قابو پایا جاسکتا ہے۔آبادی میں اضافے سے ماحول پر کیا

اثرات پڑتے ہیں۔

6۔ ماحول کے تحفظ میں انفارمیشن ٹیکنالوجی کے رول کو بیان کرو۔

7۔ دریاؤں پر باندھ باندھنے کے فائدے اور نقصانات کیا ہیں۔

8۔ پانی کا تحفظ کیسے کیا جا سکتا ہے۔ گڑھے بنا کر بارش کے پانی کی حفاظت کا طریقہ بیان کیجئے۔

9۔ ہندوستان کی معاشی ترقی میں جنگلات کی اہمیت بیان کیجئے۔

10۔ قدرتی وسائل کے تحفظ میں فرد کی ذمہ داری بیان کرو۔

ماحولیاتی سائنس نوٹس

سوال: ماحول (Environment) کسے کہتے ہیں۔ یہ کن عناصر سے بنتا ہے۔ انسان ماحول کو کس طرح متاثر کر رہا ہے؟

جواب: وہ علاقہ جس میں جاندار رہتے ہیں ماحول کہلاتا ہے۔ اس میں نامیاتی (جاندار) اور غیر نامیاتی (بے جان) عناصر رہتے ہیں۔ ماحولیاتی مطالعہ کو انگریزی میں Ecological Study کہتے ہیں۔ Ecology کا لفظ یونانی زبان سے نکلا ہے۔ جس کا مطلب رہائیش کا مطالعہ ہے۔ سپریم کورٹ آف انڈیا کے ایک فیصلے میں ماحولیاتی مطالعے کو تعلیمی نصاب کا ایک لازمی حصہ قرار دیا گیا ہے۔ ہمارے اطراف جو ماحول ہے وہ روشنی، ہوا، پانی اور حرارت جیسے عناصر سے تشکیل پایا ہے۔ ماحول کے کچھ حصے جیسے زمین اور پانی وسائل کا کام انجام دیتے ہیں۔ جبکہ حرارت اور روشنی وغیرہ ماحول کو باقاعدہ بناتے ہیں۔ یہ تمام عناصر ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں۔ زندگی کی بقاء کے لئے ماحول کا سازگار رہنا ضروری ہے۔ انسانی زندگی سے ماحول کا گہرا تعلق ہے۔ انسان اپنے اعمال وافعال کے ذریعے ماحول پر اثر انداز ہوتا رہتا ہے۔ ماحول کے مختلف عناصر کی تفصیلات اس طرح ہیں۔

درجہ حرارت:- انسان پودے اور جانور ایک مخصوص درجہ حرارت میں ہی زندہ رہ سکتے ہیں۔ زمین پر درجہ حرارت سورج کی روشنی سے برقرار رہتا ہے۔ زمین پر اگر کسی علاقے میں درجہ حرارت کم یا زیادہ ہو جائے تو اپنے لئے سازگار درجہ حرارت کی تلاش میں انسان اور جانور دوسرے مقامات کو نقل مقام کرتے ہیں۔ اور اپنے لئے سازگار ماحول فراہم کر لیتے ہیں۔ انسان سردی میں گرمی اور گرمی میں سردے کے ظاہری انتظامات کرتا ہے۔ اور زندگی کو پُرسکون بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ سورج حرارت کا اہم ذریعہ ہے۔ اور زمین پر ہر طرح کی زندگی کے لئے اس کی حرارت ضروری ہے۔

روشنی: - روشنی بھی ہمارے ماحول کا ایک اہم حصہ اور ضرورت ہے۔ پودے سورج کی روشنی میں اپنی غذا تیار کرتے ہیں۔ انسان کے علاوہ دیگر کئی جاندار اور پودے سورج کی روشنی سے حرارت حاصل کرتے ہیں۔ اور روشنی میں دنیا کے کئی کام ہوتے ہیں۔

پانی:- پانی زندگی کا اہم حصہ ہے۔ پانی کے بغیر زندگی ممکن نہیں۔ پانی سمندر، دریا، ندی نالوں پہاڑوں کی چوٹیوں پر برف کی شکل میں اور زیر زمین ذخیرے کی شکل میں محفوظ رہتا ہے۔ جن علاقوں میں وافر مقدار میں میٹھا دستیاب ہے وہاں آبادی زیادہ ہے۔

ہوا:- موسم کے حالات کو ہوا کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے۔ ہوا پانی سے بھرے بادلوں کو ایک مقام سے دوسرے مقام تک پہونچاتی ہے۔ پھلوں

سے نکلے بیجوں کو دور تک لے جاتی ہے۔ ہوا میں انسانوں اور جانوروں کی زندگی کے لئے لازمی گیسیں شامل ہوتی ہیں۔ نباتاتی پیداوار کا انحصار بھی ہوا پر ہوتا ہے۔

رطوبت:- ماحول میں پانی کے بخارات کی موجودگی کو رطوبت کہتے ہیں۔ موسم کی تبدیلی کا انحصار رطوبت پر ہوتا ہے۔

دھاتی عناصر:- زندہ رہنے والی نامیاتی اشیاء کو نمو اور پرورش کے لئے کئی دھاتی عناصر جیسے لوہا، فولاد، پارہ وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان دھاتی عناصر کی کمی یا ذیادتی جانداروں کے لئے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے۔

ماحول دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک قدرتی ماحول دوسرے انسان کا بنایا ہوا ماحول۔ زندہ رہنے والے اجسام ماحول کو متاثر کرتے ہیں۔ جواب میں ماحول انہیں متاثر کرتا ہے۔ سائنس کی ترقی کے بعد سے انسان ماحول کو بہت متاثر کرنے لگا ہے۔ ماحول میں انسان کی بے جا مداخلت ہو رہی ہے۔ اپنی زندگی کو آرام دہ بنانے کے نام پر انسان ماحول میں تیز رفتار تبدیلیاں پیدا کر رہا ہے۔ ابتدا میں انسان جنگلوں میں اور پہاڑوں کے غاروں میں رہا کرتا تھا۔ بعد میں پکے مکان بنا کر رہنے لگا۔ آبادی میں اضافے سے جنگل کاٹے جا رہے ہیں۔ اور اونچی اونچی عمارتوں کی شکل میں کنکریٹ کا جنگل پیدا کیا جا رہا ہے۔ جنگلوں کے صفائے سے جنگلی جانوروں کی رہائیش مشکل ہوگئی ہے۔ کئی جانوروں کی نسلیں معدوم ہوتی جا رہی ہیں۔ جب سے انسان نے صنعتیں شروع کی ہیں۔ ان صنعتوں اور فیکٹریوں سے نکلنے والے بے کار مادے دریاؤں ، تالابوں اور زیر زمین پانی کو آلودہ کر رہے ہیں۔ کارخانوں کی چمنیوں سے بھاری مقدار میں نکلنے والا دھواں ہوا کو آلودہ کر رہا ہے۔ گذشتہ ایک صدی میں انسان نے صنعتی شعبے میں کافی ترقی کی ہے۔ لیکن اس نے اپنے ماحول کو بھی شدید نقصان پہونچایا ہے۔ بڑی صنعتیں، حمل ونقل کے نئے نئے ذرائع، کھاد اور کیڑے مار ادویہ کے ذیادہ استعمال سے ماحول آلود بنا رہا ہے۔ جن کیڑوں کو مارنے کے لئے دوا ڈالی جا رہی ہے۔ ان مرے ہوئے کیڑوں کو کھانے سے پرندے مر رہے ہیں۔ اور پرندوں کی نسلوں کی بقا کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ ہمارے ماحول کو مزید بگڑنے سے بچانے کے لئے لوگوں کو باشعور بنانا ضروری ہے۔ ماحول کی حفاظت کے لئے انسانی ذمہ داری کا احساس دلانا ضروری ہے۔ لوگوں کو ماحول اور فطرت کے اصولوں کے بارے میں باخبر کرنا ضروری ہے۔ انسان، حیوان اور پیڑ پودوں کا وجود ایک دوسرے کے لئے لازمی ہے۔ انسان اپنے فائدے کے لئے ایسا کوئی کام نہ کرے جس سے حیوانات پیڑ پودوں اور ماحول کو کوئی نقصان پہونچے۔ انسانوں کو یہ احساس دلایا جائے کہ ان کے اعمال وافعال سے کس طرح ماحول متاثر ہوتا ہے۔ چھوٹے پیمانے پر کیا گیا کوئی کام کس طرح پورے ماحول کو متاثر کرتا ہے۔ ماحولیات کے مطالعے سے انسان ماحول میں توازن اور قدرتی انداز برقرار رکھ سکتا ہے۔

سوال: جنگلاتی وسائل کیا ہیں۔ جنگل کاٹنے کے کیا نقصانات ہیں۔ جنگلات کے تحفظ کے لئے کیا اقدامات کرنے چاہئیں؟

جواب: زمین کے بڑے علاقے پر قدرتی طور پر جو پیڑ پودے اُگ آتے ہیں۔ اور ان کے درمیان جو جنگلی جانور رہتے ہیں۔ اس ماحول کو جنگل کہتے ہیں۔ انسان جنگل اُگانے کی کوئی شعوری کوشش نہیں کرتا۔ سطح زمین کے ایک تہائی حصے پر جنگل واقع ہیں۔ جنگل کا وجود انسانی زندگی کے لئے بہت ضروری ہے۔ کیونکہ جنگلات قدرتی وسائل کا اہم ذریعہ ہوتے ہیں۔ اگر جنگلات کے تحفظ اور انہیں برقرار رکھنے کے اقدامات کئے جائیں تو جنگلاتی وسائل کے فوئد جاری رہ سکتے ہیں۔ جنگل سے انسانوں کو حاصل ہونے والے اہم قدرتی وسائل اس طرح ہیں۔

لکڑی: جنگل سے انسان کو طرح طرح کی لکڑی حاصل ہوتی ہے۔ جنگل کی بیشتر لکڑی ایندھن کے طور پر جلانے کے کام آتی ہے۔ انسان جنگل کی 80 فیصد لکڑی اپنی غذا کو پکانے کے لئے جلاتا ہے۔ اس طرح بطور ایندھن جنگلاتی لکڑی کی بہت مانگ ہے۔ ساگوان شیشم اور دیگر

اقسام کی لکڑی سے مکان کی تعمیر'فرنیچر اور دیگر ضروریات کی اشیاء بنائی جاتی ہیں۔بمبو کی لکڑی کا غذ بنایا جاتا ہے۔اور طرح طرح کے باسکٹ وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔کین کی لکڑی سے کرسیاں' سہارے کی لکڑی اور دیگر اشیاء تیار کی جاتی ہیں۔اس لئے انسان کو چاہئے کہ وہ اپنی مختلف ضروریات کی لکڑی کو آسانی سے حاصل کرنے کے لئے جنگل کو نہ ختم کرے۔اور اس کے تحفظ کے اقدامات کرتا رہے۔

تیل: جنگلات کے پیڑ پودوں سے کئی قسم کے ضروری تیل اور مادے حاصل ہوتے ہیں۔صندل کی لکڑی' ربڑ بنانے کا مادہ' چہرے کو نکھارنے کے تیل' پوڈر' جڑی بوٹیاں' دوائیں' مصالحے' جراثیم کش ادویات' پلاسٹک وغیرہ جنگل سے ہی حاصل ہوتے ہیں۔ان اشیاء کے حصول میں آسانی کی خاطر بھی انسان کو جنگلات کا تحفظ کرنا چاہئے۔

غذا: جنگلات سے جانوروں اور انسانوں کو راست یا بالراست طریقے سے غذا حاصل ہوتی رہتی ہے۔جنگلی جانور چارے اور دوسرے جانوروں کا شکار کر کے اپنی غذا جنگل سے حاصل کرتے ہیں۔انسان جانوروں سے گوشت اور دودھ حاصل کرتا ہے۔دودھ سے کئی غذائی اشیاء تیار ہوتی ہیں۔شہد جنگل سے حاصل کیا جاتا ہے۔جنگل میں قبائیلی لوگ رہتے ہیں۔ان کی زندگی اور معیشت سدھارنے میں جنگل اہم رول ادا کرتے ہیں۔جنگل سے انہیں غذا' ادویات اور گھروں کی تعمیر کے ساز و سامان اور دیگر قیمتی اشیاء حاصل ہوتی ہیں۔

جنگلات کے دیگر فوائد: جنگل کا ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ ان سے زمین کے کٹاؤ کو روکنے میں مدد ملتی ہے۔تیز ہواؤں اور بارش کے سبب سوکھی زمین کٹتی رہتی ہے۔اور علاقے کے علاقے سمندر میں ڈوب جاتے ہیں۔اگر زمین پر جنگل ہوں تو درخت وغیرہ زمین کو مضبوطی فراہم کرتے ہیں۔اور زمین کٹاؤ سے بچی رہتی ہے۔درختوں کی چھاؤں سے زمین سوکھنے نہیں پاتی۔اور اس کی نمی برقرار رہتی ہے۔جس سے جنگل ہرا بھرا رہتا ہے۔زمین کی نمی سے ہوا میں رطوبت قائم رہتی ہے۔اور موسم زیادہ گرم نہیں ہوتا۔جس سے انسانوں اور جانوروں کی زندگی پرسکون رہتی ہے۔جنگلات انسانوں کی چھوڑی ہوئی کاربن ڈائی آکسائڈ گیس جذب کرتے ہیں۔اور جواب میں صاف آکسیجن گیس خارج کرتے ہیں جو انسانی زندگی کے لئے لازمی ہے۔اس طرح جنگلات کے وجود سے ماحولیاتی آلودگی کم ہوتی ہے۔جنگل کے وجود سے جنگلی جانوروں کی بقاء ممکن ہے۔ورنہ کئی جنگلی جانوروں کی نسلوں کے معدوم ہونے کا اندیشہ ہے۔اس لئے جنگلات کے تحفظ کے اقدامات ضروری ہیں۔

جنگلات کے کٹاؤ کے نقصانات: انسان اپنی رہائش کی خاطر اور جلانے کی لکڑی حاصل کرنے کے لئے بڑی تیزی سے جنگل کاٹ رہا ہے۔ایک درخت کو کاٹتے ہوئے انسان خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مار رہا ہے۔جنگلی جانوروں کی بقاء اور انسانی صحت کے لئے بڑے خطرے پیدا ہو رہے ہیں۔جنگل کاٹنے کے چند نقصانات اس طرح ہیں۔جنگل کے کاٹنے سے زمینی کٹاؤ کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔تیز ہواؤں اور بارش کے سبب زمین کٹنے لگتی ہے۔اور زرخیز زمین بہہ جاتی ہے۔جنگل کے کاٹنے سے قدرتی وسائل کے حصول میں دشواری پیدا ہونے لگتی ہے۔تعمیری لکڑی اور ایندھن کی لکڑی کی قلت کے سبب اس کی قیمت بڑھ رہی ہے۔مستقبل میں ایندھن کی لکڑی کی طلب بڑھنے کا خطرہ بڑھ رہا ہے۔ادویات اور دیگر ضروری اشیاء کی مانگ بڑھ رہی ہے۔جنگلات کے کٹاؤ سے سیلاب آتے ہیں۔سیلابی پانی اپنے تیز بہاؤ کی وجہ سے زمین کاٹ کر بھاری مقدار میں مٹی اور ریت لے جاتا ہے۔یہ ریتی پانی جمع کرنے کے ڈیموں میں جمع ہونے لگتی ہے۔ریت کی موجودگی سے ڈیموں میں پانی کم جمع ہوتا ہے۔اس طرح برقی کی پیداوار اور دیگر زرعی مقاصد کے لئے بھاری مصارف سے تیار کردہ ڈیم کم پانی اور زیادہ ریت رکھنے کے سبب اپنا مقصد کھو دیتے ہیں۔آندھرا پردیش میں نظام ساگر ڈیم میں زیادہ ریتی جمع ہوگئی ہے۔اور وہاں کم پانی جمع ہو رہا

ہے۔جنگل کاٹنے سے موسم میں تغیر پیدا ہوتا ہے۔اوسط بارش میں کمی واقع ہوتی ہے۔جنگلی جانوروں کا ٹھکانہ برقرار نہ رہے تو ان کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی ہے۔جنگل ریگستانوں میں تبدیل ہونے لگتے ہیں۔قحط سالی شروع ہو جاتی ہے۔زرخیز زمین بنجر ہو جاتی ہے۔آلودگی بڑھ جاتی ہے۔کیونکہ درختوں کی کمی سے فضاء میں کاربن ڈائی آکسائڈ کی مقدار بڑھنے لگتی ہے اور آکسیجن کی کمی واقع ہوتی ہے۔آج شہروں میں اسی وجہہ سے فضائی آلودگی بڑھ گئی ہے جس کے سبب شہری لوگ زیادہ بیمار ہونے لگے ہیں۔

جنگلات کے تحفظ کے اقدامات: جنگلات کے تحفظ اوران کی بقاء کی ذمہ داری انسانوں پر عائد ہوتی ہے۔اس کے لئے سرکاری اور عوامی سطح پر منصوبہ بند اقدامات کی ضرورت ہے۔عام طور پر جنگلاتی آگ، درختوں کی بڑے پیمانے پر کٹائی اور جانوروں کی ہلاکت سے جنگل تباہ ہو جاتے ہیں۔اس لئے موجودہ جنگلوں کا تحفظ کیا جانا چاہئے۔اور تباہ شدہ جنگلوں میں تیزی سے اُگنے والے پودے لگانے کی مہم چلانا چاہئے۔ایندھن کے لئے لوگوں میں لکڑی کے بجائے بائیوگیس یا سورج کی روشنی سے چلنے والے شمسی چولہوں کے استعمال پر زور دینا چاہئے۔ جتنے درخت کاٹے گئے ہوں اتنے درخت لگانے چاہئیں۔حکومت اور عوام کو غیر قانونی طور پر درخت کاٹنے سے روکنا چاہئے۔قانون توڑنے والوں کو سخت سزا دینی چاہئے۔سندر لال بہوگنا نے جنگلات کے تحفظ کے لئے گڑھوال یوپی میں چپکو تحریک شروع کی تھی اس طرح کی جنگل بچاؤ تحریکوں کو شروع کرنا چاہئے۔جنگلات کے تحفظ سے ماحول قابو میں ہوگا۔اور انسانی زندگی کئی مسائل سے بچ سکے گی۔

سوال: آلودگی کسے کہتے ہیں۔فضائی آلودگی کیسے پھیلتی ہے۔اُسے کم کرنے کے لئے کیا اقدامات کرنے چاہئیں؟

جواب: ہوا میں جب صحت کے لئے نقصان دہ عناصر شامل ہو جاتے ہیں تو ہوا آلودہ ہو جاتی ہے۔اسے فضائی آلودگی کہتے ہیں۔زندگی کے لئے صاف ہوا ایک لازمی عنصر ہے۔ایک انسان روزانہ اوسطاً 16 تا 20 کلو ہوا سانس کے ذریعے جسم میں داخل کرتا ہے۔اگر وہ آلودہ ہوا میں سانس لے رہا ہو تو اندازہ لگایئے کہ وہ کس قدر خطرے میں ہے۔اگر ہوا میں دوسری گیسیں شامل ہونے لگیں تو ہوا میں آکسیجن کی قدرتی آمیزش کا تناسب کم ہوتا جائے گا۔ہوا میں ٹھوس ذرات، دھواں، مٹی کے ذرات شامل ہوتے رہتے ہیں۔بڑے اور صنعتی شہروں میں فضائی آلودگی سے بہت زیادہ خطرہ ہے۔بڑے بڑے کارخانوں کی چمنیوں سے نکلنے والا دھواں، طرح طرح کی گاڑیوں سے نکلنے والا دھواں اور بجلی بنانے والے تھرمل اسٹیشن و نیوکلیر اسٹیشنو غیرہ سے نکلنے والا دھواں فضاء میں شامل ہو کر آلودگی کو بڑھا رہا ہے۔دھویں سے دھندسی چھا جاتی ہے۔اور شہروں میں کم دکھائی دیتا ہے۔فضائی آلودگی نہ صرف انسانوں کو بلکہ جانوروں اور دوسرے پیڑ پودوں کو متاثر کرتی ہے۔بنیادی طور پر فضائی آلودگی صحت کے لئے نقصان دہ گیسوں، دھواں، غبار، ٹھوس ذرات کے صاف ہوا میں شامل ہونے سے پھیلتی ہے۔نقصان دہ گیسوں میں ایک کاربن مونو آکسائڈ ہے۔جو گاڑیوں اور کارخانوں کے دھویں میں شامل ہوتی ہے۔ہوا میں اس کی زیادتی انسان کے دل پھیپھڑے اور اعصابی نظام کو متاثر کرتی ہے۔ایک گیس سلفر کے مرکبات پر مبنی ہوتی ہے۔یہ پودوں کے سڑنے گلنے، آتش فشاں کے پھٹنے اور تھرمل پلانٹس سے نکلتی ہے۔سلفر ڈائی آکسائڈ کی ہوا میں زیادتی سانس لینے میں دشواری پیدا کرتی ہے۔سر کا درد اور آنکھوں میں جلن پیدا کرتی ہے۔یہ گیس آبی بخارات میں مل کر تیزابی بارش کا اثر پیدا کرتی ہے۔جس سے پودوں عمارتوں اور انسانوں کو نقصان پہونچتا ہے۔دیگر نقصان دہ گیسوں نائٹروجن آکسائڈ، ہائیڈرو کاربن اور تمبا کو نوشی کا دھواں وغیرہ ہے۔تمبا کو کا دھواں تمبا کو پینے والے سے زیادہ دھواں سونگھنے والے کو متاثر کرتا ہے۔اس سے کینسر کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔فضائی آلودگی ٹھوس ذرات کے سبب بھی ہوتی ہے۔ہوا میں سمنٹ کے ذرات نکل کر شامل ہوتے رہتے ہیں۔جو سانس کے ذریعے جسم انسانی میں داخل ہو جاتے ہیں۔اور انسانی صحت کو متاثر کرتے ہیں۔

فضائی آلودگی کے ماحول پر اثرات: جنگلات کے کٹاؤ اور لکڑی کی بڑی مقدار جلا دینے سے فضاء میں گیسوں کا توازن بگڑ رہا ہے۔ گذشتہ سو سال سے فضاء میں کاربن ڈائی آکسائڈ کی مقدار 15 فیصد بڑھ گئی ہے۔جس سے ہر سال زمین کے درجہ حرارت میں اضافہ ہو رہا ہے۔اور اس اضافہ سے ماحول پر پڑنے والے اثرات کو''سبز گھر کا اثر''"Green House Effect" کہتے ہیں۔سورج کی روشنی جب زمین کی طرف آتی ہے تو فضاء کے اوپر موجود اوزون کی پرت سورج کی روشنی سے خارج ہونے والی بالائے بنفشی شعاؤں Ultra Violet Rays کو جذب کر کے گرمی کی شدت کو کم کرتی ہے۔اور معتدل سورج کی شعاعیں زمین پر پڑتی ہیں۔کاربن ڈائی آکسائڈ کی زیادتی سے اوزون کی پرت میں سوراخ ہو رہے ہیں۔اور اس کی وجہہ سے زمین کا درجہ حرارت خطرناک حد تک بڑھتا جا رہا ہے۔جس کے سبب خطرہ ہے کہ قطب شمالی اور قطب جنوبی پر موجود برف بھاری مقدار میں پگھلنے لگے گی۔جس سے سمندروں کی سطح بلند ہوگی۔اور زمین کے ساحلی علاقے ڈوب جائیں گے۔بالائے بنفشی شعاؤں کے مضر اثرات ہوتے ہیں۔اس سے پودوں میں غذا کی تیاری کا عمل متاثر ہوتا ہے۔اور جلد کا کینسر بھی ہوسکتا ہے۔اس لئے فضاء میں کاربن ڈائی آکسائڈ کی مقدار پر قابو پانے کے لئے زیادہ سے زیادہ پودے لگانے چاہئیں۔

انسانوں اور جانوروں پر فضائی آلودگی کے اثرات: فضائی آلودگی سے انسانی صحت متاثر ہوتی ہے۔تنفّسی بیماریاں بڑھتی ہیں۔کھانسی تپ دق کی بیماری ہوتی ہے۔خون کی روانی متاثر ہوتی ہے۔جسم میں آکسیجن کی سپلائی متاثر ہوتی ہے۔فضائی آلودگی کے اثرات پودوں پر بھی ہوتے ہیں۔ان میں غذا کی تیاری کا عمل متاثر ہوتا ہے۔پودے سوکھنے لگتے ہیں۔

فضائی آلودگی کی روک تھام کے اقدامات: موجودہ دور میں فضائی آلودگی کو مکمل طور پر دور کرنا مشکل ہے۔تاہم کئی اقدامات کرتے ہوئے فضائی آلودگی پر قابو پایا جاسکتا ہے۔مناسب قانون سازی اور اس پر سختی سے عمل آوری سے لوگوں کو پابند کیا جا سکتا ہے۔نقصان دہ گیسوں کو جذب کرنے والے آلات کا استعمال کیا جائے۔کارخانوں کی چمنیوں کو بلند کیا جائے۔تاکہ نقصان دہ گیسیں ہوا سے اُڑ کر دور چلی جائیں۔اور انسانوں کو نقصان نہ پہونچا سکیں۔نقصان دہ کیمیائی مادوں کو قابل استعمال بنایا جائے۔ایندھن کے استعمال پر کنٹرول کیا جائے۔غیر ضروری گاڑیاں نہ چلائی جائیں۔گاڑیوں کی حد سے زیادہ فروخت پر پابندی لگائی جائے۔پرانی گاڑیوں کے استعمال پر پابندی لگائی جائے کیونکہ یہ گاڑیں زیادہ دھواں چھوڑ کر فضائی آلودگی بڑھاتی ہیں۔کارخانوں کے قیام سے پہلے ماحرین ماحولیات سے اجازت حاصل کی جائے۔آبادی سے کافی دور کارخانے قائم کئے جائیں۔کارخانوں کے قریب آبادی کو بسنے سے روکا جائے۔ڈیزل سے چلنے والی ریل گاڑیوں کو برقی سے چلایا جائے۔بغیر lead کا پٹرول استعمال کیا جائے۔ایسی توانائی استعمال کی جائے جس میں دھواں نہیں نکلتا ہو جیسے شمسی توانائی' نیوکلیر توانائی' لہروں کی توانائی وغیرہ۔پکوان کے لئے لکڑی یا گوبر جلانے کے بجائے ایل پی جی گیس استعمال کی جائے۔کارخانوں کے اطراف زیادہ سے زیادہ درخت لگائے جائیں۔ان اقدامات پر عمل کیا جائے تو فضائی آلودگی پر بہت حد تک قابو پایا جاسکتا ہے۔انسان کو اپنی صحت کی فکر خود کرنا چاہئے ورنہ نقصان کے بعد افسوس کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔

سوال: آبی آلودگی کیسے پھیلتی ہے۔اس کے نقصانات کیا ہیں۔آبی آلودگی پر قابو پانے کے اقدامات بیان کیجئے؟

جواب: پانی میں مضر اور صحت کے لئے نقصان دہ اجزاء شامل ہوجائیں تو ایسے پانی کو آلودہ پانی کہتے ہیں۔اور پانی میں آلودگی کے شامل ہو جانے کو آبی آلودگی کہتے ہیں۔صاف پانی میں نالیوں کی گندگی اور صنعتوں سے نکلنے والے بے کار مادے اور تیل وغیرہ شامل ہوجانے سے پانی آلودہ ہوجاتا ہے۔آلودہ پانی صحت انسانی کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے۔گھروں سے نکلنے والی گندگی نالیوں کے ذریعے بڑے نالوں اور

تالابوں کے ذریعے بالآخر دریا میں جا ملتی ہے۔ اگر اس طرح کی گندگی کو پانی کے ذخائر میں ملنے سے نہ روکا جائے تو پانی آلودہ پانی ہوجاتا ہے۔ آلودہ پانی انسانوں کے پینے اور استعمال کے قابل نہیں رہتا۔ اس طرح کے آلودہ پانی میں نقصان دہ مادے ہوتے ہیں۔ آلودہ پانی جانوروں کے لئے بھی نقصان دہ ہوتا ہے۔ گندے پانی میں شامل بیکٹیریا پانی کے آکسیجن کو جذب کر لیتے ہیں۔ اور یہ پانی جانوروں کے پینے کے لائق بھی نہیں رہتا۔ نالیوں کا پانی کبھی کبھی صاف پانی کے پائپوں میں مل جاتا ہے۔ اس سے صحت انسانی کو خطرہ لاحق ہوجاتا ہے۔ اور آنتوں کی سوزش جیسی بیماریاں عام ہوجاتی ہیں۔ صنعتوں سے نکلنے والا فضلہ جب صاف پانی کے ذخائر میں ملنا شروع ہوجاتا ہے۔ تو اس سے نہ صرف پانی آلودہ ہوجاتا ہے۔ بلکہ تالابوں میں موجود مچھلیاں تک مر جاتی ہیں۔ جس کی وجہہ سے پانی بدبودار ہوجاتا ہے۔ اور اس بدبو سے قریب رہنے والے انسانوں کو سانس لینے میں دشواری ہوتی ہے۔ آلودہ پانی زمین میں جذب ہوکر زیر زمین پانی کو بھی ناقابل استعمال بنا دیتا ہے۔ آندھرا پردیش کے ضلع میدک میں پٹن چیرو اور موضع دگوال نزد ظہیر آباد میں کارخانوں سے نکلنے والا گندہ اور آلودہ پانی زیر زمین پانی کو ناقابل استعمال بنا چکا ہے۔ اب یہ پانی کئی سال کے لئے بے کار ہوچکا ہے۔ آلودہ پانی کو صنعتی استعمال میں نہیں لیا جا سکتا۔ اس پانی میں شامل ترشے اور نمک مشینوں کو خراب اور زنگ آلود کردیتے ہیں۔ کھیتوں میں استعمال ہونے والی کھاد اور جراثیم کش ادویات بارش کے پانی میں مل کر تالابوں کو آلودہ کرتے ہیں۔ اس طرح آبی آلودگی کو بڑھانے میں کھاد اور جراثیم کش ادویات کا بھی حصہ ہے۔ سمندروں میں تیل لیجانے والے جہاز اگر ڈوب جائیں یا ساحل سمندر کے قریب تیل کے کنوؤں میں آگ لگ جائے یا انہیں دھماکے سے اُڑایا جائے تو اس میں موجود تیل پانی کی سطح پر پھیل جاتا ہے۔ اور اس طرح ایک بڑے علاقے کا پانی آلودہ ہوجاتا ہے۔ اور سمندری جانداروں کو نقصان پہونچتا ہے۔ علاقے کا ماحول گندہ ہوجاتا ہے۔ کویت عراق جنگ کے دوران تیل کے کنوؤں پر بمباری اور آگ لگانے سے بہت سے تیل سمندر کی سطح پر پھیل گیا تھا۔ جس سے سمندری جانوروں اور ماحول کو کافی نقصان پہونچا تھا۔

آبی آلودگی کو روکنے کے اقدامات: پانی کو آلودہ ہونے سے روکنے کے لئے حسب ذیل اقدامات کئے جانے چاہئیں۔ گندے پانی کے اخراج کو مناسب طریقے سے انجام دیا جائے۔ کوشش کی جائے کہ گندہ پانی صاف پانی کے ذخائر میں ملنے نہ پائے۔ پانی کے غلط استعمال کو روکا جائے۔ یعنی تالابوں میں کپڑے دھونے، جانوروں کن نہلانے اور گاڑیوں کو دھونے سے روکا جائے۔ کارخانوں سے نکلنے والے گندے پانی کو صاف کئے بغیر تالابوں اور دریاؤں میں جانے سے سختی سے روکا جائے۔ تیل کے اخراج کو روکا جائے۔ گندے اور آلودہ پانی کو تالابوں اور دریاؤں میں جانے سے روکنے کے لئے اور ان میں موجود ٹھوس ذرات کو علحیدہ کرنے کے لئے سپٹک ٹینک، فلٹر بیڈس اور گندے پانی کو صاف کرنے کے پلانٹس وغیرہ استعمال کئے جائیں۔ پینے کے پانی کو فلٹر کرکے اور مناسب ادویات جیسے کلورین اور پوٹاشیم پرمینگنیٹ ملا کر استعمال کیا جائے۔ کارخانوں سے نکلنے والے پانی کو water treatment plants سے صاف کیا جائے۔ سمندروں میں تیل کے اخراج کی صورت میں تیل کی صفائی کے طریقے بھی ایجاد ہوئے ہیں۔ ان سے استفادہ کیا جائے۔

ہندوستان میں صنعتی علاقوں سے گذرنے والی کئی دریائیں آبی آلودگی کا شکار ہیں۔ دہلی سے گذرنے والی جمنا ندی، کلکتہ سے گذرنے والی ہگلی ندی، کانپور کے قریب سے گذرنے والی گنگا ندی اور دامودر، کاویری اور گوداوری ندیاں بھی کارخانوں سے خارج ہونے والے فضلہ کے پانی میں مل جانے سے آلودگی کا شکار ہیں۔ ان سب میں دریائے گنگا ہندوستان کی سب سے زیادہ آلودگی کا شکار دریا ہے۔ اپنے 2525 کلومیٹر سفر کے دوران اس میں اتر پردیش، بہار اور مغربی بنگال کی صنعتوں کا فضلہ، گندی نالیوں کا پانی مُردوں کے جلانے کے

بعد کی راکھ ادھ جلی نعشیں، مردہ جانور اور ہندو یاترویوں کے اشنان سے کافی گندگی شامل ہو رہی ہے۔ اور مقدس گنگا انسان کے کالے کرتوتوں سے آلودہ ہو رہی ہے۔ گنگا کو آلودگی سے بچانے کے لئے حکومت ہند نے گنگا ایکشن پلان 1985 شروع کیا۔ اس طرح انسانی صحت کی برقراری اور ماحول کو پاک وصاف رکھنے کے لئے ہر انسان کو کوشش کرنی چاہئے۔ اور انسان ایسا کوئی غلط کام نہ کرے جس سے پانی کو آلودگی بڑھے۔ حکومت بھی کارخانوں اور صنعتوں کو آلودگی پر قابو پانے کے لئے پابند کرے۔ تب ہی آنے والی نسلوں کو آلودگی سے پاک صاف پانی مل سکے گا۔

سوال: ماحول اور قدرتی وسائل کے تحفظ کے لئے انسان کی سماجی ذمہ داریاں کیا ہیں؟

جواب: انسان کے اطراف جو چیزیں ہیں اسے ماحول کہتے ہیں۔ انسان تنہا زندگی نہیں گذار سکتا۔ وہ ایک سماجی حیوان ہے۔ سماج کے ساتھ اسے ماحول چاہئیے۔ جس میں دیگر جاندار بھی رہتے ہیں۔ ایک ملک کی ترقی اس کے جغرافیائی عوامل اور ماحول پر منحصر ہوتی ہے۔ قدرتی ماحول کے عناصر زمین ہوا اور پانی جاندار تھے۔ تاہم اب انسان نے اپنی کئی سماجی، معاشی اور سیاسی حرکتوں سے ماحول کو وسعت دی ہے۔ اور اب اس کرہ ارض کا کامیاب اور اثر انداز جاندار بن گیا ہے۔ اس کی ذہنی صلاحیتوں نے اسے فطرت کے رازوں سے پردہ اُٹھانے کا سلیقہ سکھایا۔ اپنی زندگی کو خوب سے خوب تر بنانے کے لئے انسان نے کئی ایجادات کیں۔ انسان سماج اور ماحول سے متعلق کئی مسائل سامنے آرہے ہیں۔

مسلسل ترقی: انسان اپنی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے مسلسل ترقی کر رہا ہے۔ تاہم اسے خیال کرنا چاہئیے کہ وہ اپنے فائدے کے لئے ماحول کو اس قدر متاثر نہ کردے کہ آنے والی نسلوں کو نقصان اٹھانا پڑے۔ آزادی کے بعد ہندوستان نے کافی ترقی کی ہے۔ آبادی کے لحاظ سے ہندوستان دنیا کا دوسرا بڑا ملک ہے۔ انسانوں کی بڑھی آبادی نے جنگلوں کا صفایا کیا ہے۔ کئی قدرتی وسائل بھاری مقدار میں استعمال ہو رہے ہیں۔ اس طرح ڈر ہے کہ آنے والی نسلوں کے لئے کہیں لکڑی، کوئلہ، تیل اور گیس جیسی اہم ضرورت کی چیزوں کی قلت نہ ہو جائے۔ نئی نسلوں کو کھانے کے لئے مناسب غذا، پینے کے لئے صاف پانی اور زندہ رہنے کے لئے صاف ہوا کی قلت ہو جائے گی۔ اس لئے آبادی میں اضافہ اور مسلسل ترقی کے ساتھ ماحول کے تحفظ اور قدرتی وسائل کے تحفظ کی طرف توجہ دی جائے۔ اور اسے اہم سمجھا جائے۔

توانائی کا مسئلہ: موجودہ دور میں توانائی انسان کی اہم ضرورت بن گئی ہے۔ ذرائع حمل ونقل، کارخانوں، زراعت، مواصلات اور دفاع وغیرہ کاموں کے لئے توانائی ضروری ہے۔ سماج کی سماجی اور معاشی ترقی کے لئے توانائی کی ضرورت ہے۔ بڑی بڑی عمارتوں، دکانوں، بازاروں اور کارخانوں سب کے لئے برقی لازمی ہے۔ اگر مناسب برقی کی پیداوار نہ ہو اور برقی کا سلسلہ منقطع ہو جائے تو شہری علاقوں میں کاروبار چلانے کے لئے جنریٹر استعمال کئے جارہے ہیں۔ جس سے آلودگی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ پانی کی سربراہی کے لئے برقی موٹر چلانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اگر برقی نہ ہو تو لوگوں کو پینے کے پانی کی سربراہی کا مسئلہ کھڑا ہو سکتا ہے۔ اس لئے توانائی کے محتاط استعمال کی ضرورت ہے۔ شہری زندگی کے لازمی سمجھے جانے والے الیکٹرک ساز وسامان فریج، گیزر، پنکھے، کولر، واشنگ مشین، گرائنڈر اور ہیٹر وغیرہ کو چلانے کے لئے برقی کی مسلسل سربراہی کی ضرورت ہے۔ شہری زندگی میں برقی کی قلت سے زندگی مسائل سے دوچار ہو جاتی ہے۔ اس لئے عوام کو برقی کا محتاط استعمال کرتے ہوئے مشینوں پر انحصار کرنے کے بجائے اپنا کام خود کرنا چاہئیے۔ اس سے صحت بھی اچھی رہتی ہے۔

پانی کا تحفظ: پانی زندگی کے لئے لازمی ہے۔ پہلے سمجھا جاتا تھا کہ زمین پر میٹھا اور صاف پانی آسانی سے مل جاتا تھا۔ لیکن اب ساری دنیا میٹھے پانی کی قلت سے دوچار ہے یا ہو سکتی ہے۔ آفریقہ اور مغربی ایشیاء میں پانی کا بحران زیادہ ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہاں آبادی زیادہ ہے۔

اور بارش غیر متوازن ہے۔اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ جس تیزی سے صاف پانی کی قلت ہو رہی ہے اگلے تیس برسوں میں دنیا کی دو تہائی آبادی پانی کی قلت کا شکار ہو جائے گی۔گرما کے موسم میں زیرزمین پانی کی سطح گھٹ جاتی ہے۔اور پانی کی کمی کا مسئلہ کھڑا ہو جاتا ہے۔اس کے لئے پانی کے تحفظ کے اقدامات ناگزیر ہو جاتے ہیں۔

بارش کے پانی کا تحفظ: ہمارے سماج میں پانی کے تحفظ کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔اور موسم گرما میں پانی کی قلت پر شور مچایا جاتا ہے۔جبکہ موسم برسات میں بارش کا پانی بہہ کر ندی نالوں اور دریاؤں کے ذریعے سمندر میں جا گرتا ہے۔سمنٹ کے مکانات اور سمنٹ کی پختہ سڑکوں کی تعمیر سے بارش کا پانی زمین میں جذب نہیں ہو رہا ہے۔چنانچہ مکانات کی چھتوں پر گرنے والے بارش کے پانی کو پائپوں کے ذریعے نیچے لا کر مکان کے قریب بنائے گئے خصوصی گڑھوں میں چھوڑا جاتا ہے۔ان گڑھوں میں اینٹ' کوئلہ' ریتی اور پتھر وغیرہ ڈالے جاتے ہیں۔اس طرح کے گڑھے بنانے سے شہری علاقوں میں بارش کا پانی زمین میں جذب ہوتا ہے۔اور علاقے میں پانی کی زیرزمین سطح میں بہتری آتی ہے۔اس طرح پانی جمع کرنے سے بارش کے دوران سیلاب بھی نہیں آتے۔

باندھ کی تعمیر کے اثرات: ہندوستان میں برقی کی تیاری اور زرعی مقاصد کے لئے بڑے بڑے باندھ بنائے گئے۔ان باندھوں سے شہری لوگوں کو فائدہ ہو رہا ہے۔لیکن دیہی عوام بے گھر ہو رہے ہیں۔انہیں مناسب ٹھکانہ دلانے کے لئے سندرلال بہوگنا' میدھا پاٹکر وغیرہ عوامی تحریکات چلائیں۔تاکہ باندھ کی تعمیر سے متاثر ہونے والے بے گھر لوگوں کو آباد کیا جا سکے۔ماحولیات کے تحفظ کے لئے انسان پر اخلاقی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔انسان کو یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ فطرت کا ایک حصہ ہے نہ کہ فطرت اس کے قبضے میں ہے۔اپنے مفادات کے حصول کے لئے ماحول سے کھلواڑ نہیں کرنا چاہئے۔دوسروں کے مسائل کو مدنظر رکھنا چاہئے۔انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر انسانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے ماحول کے تحفظ کے عملی اقدامات کریں۔اسی میں ساری انسانیت کی بھلائی ہے۔

دنیا کی ترقی کے ساتھ توانائی کے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔اور ساری دنیا اس کوشش میں لگی ہوئی ہے کہ کسی طرح اس کی توانائی کا مسئلہ حل ہو۔غذا' پٹرول' برقی' ایندھن اور دیگر ذرائع انسان اور اس کی مشینوں کو چلانے کے لئے توانائی فراہم کرتے ہیں۔توانائی کے بغیر کوئی کام نہیں ہوتا اور کوئی کام نہ ہو تو ملک کی ترقی نہیں ہوتی۔اس لئے جاپان' امریکہ کے بشمول ساری دنیا کے ممالک اس کوشش میں لگے ہیں کہ ان کی توانائی کا مسئلہ حل ہو تاکہ ان کے ممالک ترقی کر سکیں۔آیئے دیکھیں کہ ہمیں قدرت سے حاصل ہونے والی توانائی کے ذرائع کیا ہیں۔اور انہیں ہم کیسے بہتر طور پر استعمال کر سکتے ہیں۔

سوال: قابل تجدید اور ناقابل تجدید توانائی کو بیان کرو۔

توانائی: کام کرنے کی طاقت فراہم کرنے والے ذریعہ کو توانائی یا Energy کہتے ہیں۔سورج توانائی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ایسے وسائل جن کو قدرت میں ہم لامحدود طور پر پاتے ہیں اور جن کا بار بار استعمال ممکن ہے انہیں قابل تجدید توانائی کے وسائل کہتے ہیں۔یہ وسائل حسب ذیل ہیں۔ ۱۔شمسی توانائی ۲۔ ہوائی توانائی ۳۔آبی توانائی

۴۔ جزری توانائی ۵۔ سمندری ترمل توانائی ۶۔ جیوتھرمل توانائی ۷۔ بائیوماس توانائی ۸۔ بائیوگیاس توانائی

شمسی توانائی (Solar Energy):- سورج توانائی کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے۔سورج روشنی کی شکل میں مستقل حرارت زمین کو روانہ کرتا ہے۔شمسی توانائی قدرت میں مفت اور آسانی سے دستیاب ہے۔انسان شمسی توانائی کو چیزوں کو خشک کرنے' کپڑے سکھانے

کیلئے استعمال کرتا آرہا ہے۔شمسی توانائی آلودگی سے پاک ہوتی ہےتوانائی کے بنیادی ذخائر جیسے پٹرول لکڑی اور کوئلہ کی قلت کے پیش نظر سورج کی توانائی کوانسانی زندگی کے فائدے کیلئے استعمال کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔شمسی چولہے' شمسی ہیٹر' اور شمسی بیٹری سے چلنے والے بلب وغیرہ ایجاد ہوئے ہیں۔لیکن ان اشیاء کی قیمت زیادہ ہے اوران کا استعمال موسم کے انحصار پر ہوتا ہے۔ ہندوستان میں موسم گرما میں یہ اشیاء استعمال کی جاسکتی ہیں۔خلاء میں گھوم رہے مصنوعی سیارے بھی شمسی توانائی سے کام کرتے ہیں۔مستقبل میں شمسی توانائی کا استعمال بڑھنے کا امکان ہے۔

ہوائی توانائی (Wind Energy):- ہوا جب تیز چلے تو یہ طاقتور ہو جاتی ہے اور راستے میں آنے والے پیڑ پودوں کو اکھاڑ دینے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اسلئے پہاڑ کی چوٹی سمندر کا ساحل یا ایسے علاقے جہاں ہوا تیز چلتی ہے وہاں پنکھے لگا دیئے جاتے ہیں۔ان پنکھوں کے چلنے سے مقناطیس میں برقی رو پیدا ہوتی ہے۔ ہندوستان کا سب سے بڑا ہوائی فارم کنیا کماری میں واقع ہے۔ جہاں 380 میگا واٹ برقی تیار ہوتی ہے۔ ہوائی توانائی کے پیدا کرنے میں لاگت کم ہوتی ہے اور آلودگی بھی نہیں ہوتی۔ تاہم ہوائی توانائی بھی موسم پر منحصر ہوتی ہے۔ ہوا تیز تر چلےتو برقی کی پیداوار تیز ہوجاتی ہے۔

جزری توانائی (Tidal Energy):- سورج اور چاند کی قوت کشش سے سمندر میں اٹھنے والی موجوں میں بے انتہا توانائی چھپی ہوتی ہے۔ جزری توانائی کو حاصل کرنے کیلئے جزری باندھ (Tidal Dams) بنائے جاتے ہیں۔ اونچی موجوں کے پانی کو ان باندھوں میں جمع کرلیا جاتا ہے جب پانی قوت سے اس باندھ میں داخل ہوتا ہے تو وہاں پر نصب کردہ ٹربائین گھومنے لگتے ہیں۔ جس سے بجلی پیدا ہوتی ہے۔ یہی عمل پانی کے ڈھلنے کے وقت دہرایا جاتا ہے۔ جزری توانائی کیلئے بلند موجوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہندوستان میں خلیج کیمبے' سندر بن کے ڈیلٹاؤں میں جزری توانائی کو حاصل کرنے کا انتظام ہے۔

حیاتی گیس توانائی (Bio-Gas Energy):- بائیو گیس جانوروں کے گوبر' جنگلاتی وزراعتی کچرے سے تیار ہوتی ہے۔ یہ گیس میتھین' کاربن ڈائی آکسائیڈ' ہائیڈروجن اور ہائیڈروجن سلفائیڈ' پر مشتمل ہوتی ہے۔فضلہ اور کچرے کوایک بند پلانٹ میں جمع کیا جاتا ہے تو آکسیجن کی عدم موجودگی کی وجہہ سے پیدا ہونے والے بیکٹر یا فضلہ کو کھانے لگتے ہیں۔اور خالی جگہ میں توانائی کے حامل گیس پیدا ہوتی ہے۔ یہ گیس سستی اور بہ آسانی پیدا کی جاسکتی ہے۔اسے پکوان اور دیگر کاموں میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔اس سے آلودگی پیدا نہیں ہوتی اسے عام طور پر گوبر گیس کہا جاتا ہے۔

پانی سے پیدا ہونے والی بجلی رتوانائی:- دریائی پانی کو بڑے بڑے باندھ بنا کر روکا جاتا ہے۔ جب پانی کو اونچائی سے نیچے چھوڑا جاتا ہے تو بہاؤ کے دوران باندھ کے دروازوں سے گرتا ہے اوراسکی طاقت سے ٹربائن کی پتیاں گھومنے لگتی ہیں۔ جس سے برقی پیدا ہوتی ہے برقی کی پیداوار کا آسان اور سستا طریقہ ہے۔ جس سے کوئی فضائی آلودگی پیدا نہیں ہوتی۔ سری سیلم ڈیم کو صرف برقی کی پیداوار کیلئے تعمیر کیا گیا ہے جبکہ ناگر جنا ساگر ڈیم ایک ہمہ مقصدی پراجکٹ ہے اور یہاں پر بھی برقی تیار ہوتی ہے۔

اس طرح توانائی کے یہ وسائل انسان کو قدرت نے مفت فراہم کئے ہیں۔اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ انہیں بہتر طریقہ پر استعمال کرتے ہوئے کسطرح اپنی زندگی کو بہتر بناتا ہے۔

توانائی کا مسئلہ: موجودہ دور میں توانائی انسان کی اہم ضرورت بن گئی ہے۔ ذرائع حمل ونقل' کارخانوں' زراعت' مواصلات اور دفاع وغیرہ کاموں کے لئے توانائی ضروری ہے۔ سماج کی سماجی اور معاشی ترقی کے لئے توانائی کی ضرورت ہے۔ بڑی بڑی عمارتوں' دکانوں' بازاروں اور

کارخانوں سب کے لئے برقی لازمی ہے۔اگر مناسب برقی کی پیداوار نہ ہواور برقی کا سلسلہ منقطع ہو جائے تو شہری علاقوں میں کاروبار چلانے کے لئے جنریٹر استعمال کئے جارہے ہیں۔جس سے آلودگی میں اضافہ ہورہا ہے۔پانی کی سربراہی کے لئے برقی موٹر چلانے کی ضرورت پڑتی ہے۔اگر برقی نہ ہوتو لوگوں کو پینے کے پانی کی سربراہی کا مسئلہ کھڑا ہوسکتا ہے۔اس لئے توانائی کے محتاط استعمال کی ضرورت ہے۔شہری زندگی کے لازمی سمجھے جانے والے الیکٹرک ساز وسامان فریج' گیزر' پنکھے' کولر' واشنگ مشین' گرائنڈر اور ہیٹر وغیرہ کو چلانے کے لئے برقی کی مسلسل سربراہی کی ضرورت ہے۔شہری زندگی میں برقی کی قلت سے زندگی مسائل سے دوچار ہوجاتی ہے۔اس لئے عوام کو برقی کا محتاط استعمال کرتے ہوئے مشینوں پر انحصار کرنے کے بجائے اپنا کام خود کرنا چاہیئے۔اس سے صحت بھی اچھی رہتی ہے۔

پانی کا تحفظ: پانی زندگی کے لئے لازمی ہے۔پہلے سمجھا جاتا تھا کہ زمین پر میٹھا اور صاف پانی آسانی سے مل جاتا تھا۔لیکن اب ساری دنیا میٹھے پانی کی قلت سے دوچار ہے یا ہوسکتی ہے۔آفریقہ اور مغربی ایشیاء میں پانی کا بحران زیادہ ہوسکتا ہے۔کیونکہ یہاں آبادی زیادہ ہے۔اور بارش غیر متوازن ہے۔اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ جس تیزی سے صاف پانی کی قلت ہورہی ہے اگلے تیس برسوں میں دنیا کی دوتہائی آبادی پانی کی قلت کا شکار ہوجائے گی۔گرما کے موسم میں زیرزمین پانی کی سطح گھٹ جاتی ہے۔اور پانی کی کمی کا مسئلہ کھڑا ہوجاتا ہے۔اس کے لئے پانی کے تحفظ کے اقدامات ناگزیر ہوجاتے ہیں۔

بارش کے پانی کا تحفظ: ہمارے سماج میں پانی کے تحفظ کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔اور موسم گرما میں پانی کی قلت پر شور مچایا جاتا ہے۔جبکہ موسم برسات میں بارش کا پانی بہہ کر ندی نالوں اور دریاؤں کے ذریعے سمندر میں جا گرتا ہے۔سمنٹ کے مکانات اور سمنٹ کی پختہ سڑکوں کی تعمیر سے بارش کا پانی زمین میں جذب نہیں ہورہا ہے۔چنانچہ مکانات کی چھتوں پر گرنے والے بارش کے پانی کو پائپوں کے ذریعے نیچے لاکر مکان کے قریب بنائے گئے خصوصی گڑھوں میں چھوڑا جاتا ہے۔ان گڑھوں میں اینٹ' کوئلہ' ریتی اور پتھر وغیرہ ڈالے جاتے ہیں۔اس طرح کے گڑھے بنانے سے شہری علاقوں میں بارش کا پانی زمین میں جذب ہوتا ہے۔اور علاقے میں پانی کی زیرزمین سطح میں بہتری آتی ہے۔اس طرح پانی جمع کرنے سے بارش کے دوران سیلاب بھی نہیں آتے۔

باندھ کی تعمیر کے اثرات: ہندوستان میں برقی کی تیاری اور زرعی مقاصد کے لئے بڑے بڑے باندھ بنائے گئے۔ان باندھوں سے شہری لوگوں کو فائدہ ہورہا ہے۔لیکن دیہی عوام بے گھر ہورہے ہیں۔انہیں مناسب ٹھکانہ دلانے کے لئے سندر لال بہوگنا' میدھا پاٹکر وغیرہ نے عوامی تحریکات چلائیں۔تاکہ باندھ کی تعمیر سے متاثر ہونے والے بے گھر لوگوں کو آباد کیا جاسکے۔ماحولیات کے تحفظ کے لئے انسان پر اخلاقی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔انسان کو یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ فطرت کا ایک حصہ ہے نہ کہ فطرت اس کے قبضے میں ہے۔اپنے مفادات کے حصول کے لئے ماحول سے کھلواڑ نہیں کرنا چاہئے۔دوسروں کے مسائل کو مدنظر رکھنا چاہئے۔انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر انسانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے ماحول کے تحفظ کے عملی اقدامات کریں۔اسی میں ساری انسانیت کی بھلائی ہے۔

سوال۔ پانی کا تحفظ کیسے کیا جاسکتا ہے۔گڑھے بنا کر بارش کے پانی کی حفاظت کا طریقہ بیان کیجئے۔

ہر سال ماہ اپریل اور مئی میں جنوبی ہند اور مئی جون میں شمالی ہند میں موسم گرما شباب پر ہوتا ہے۔اور اس موسم میں پانی کی طلب بڑھ جاتی ہے۔ لیکن رسد گھٹ جاتی ہے۔شہروں میں لوگوں کی گفتگو کا اہم موضوع یہی ہے کہ کیا آپ کے بورویل میں پانی آرہا ہے۔اور اکثر لوگوں کا جواب یہی ہے کہ نہیں صاحب ہمارا بورویل تو سوکھ گیا ہے۔سمپ بنائے ہیں اور ٹینکر سے پانی منگا رہے ہیں۔اور ٹینکر کے لئے بھی ایڈوانس بکنگ کرنا پڑرہا ہے۔ٹینکر والے بھی نشیبی علاقوں میں بڑے بڑے بورویل ڈال کر رات دن زمین سے پانی نکال رہے ہیں۔شہر میں دور دور تک کوئی جھیل' تالاب' یا کنواں نہیں ہے۔

ہر سال بارش کے موسم میں پانی پڑتا ہے۔اور سڑکوں اور نالیوں سے ہوتا ہوا شہر کے باہر جا گرتا ہے۔اور زیر زمین پانی کی نفوذ پذیری نہ ہونے سے ہر سال پانی کی سطح میں کمی ہوتی جارہی ہے۔اور زمین میں پانچ سو ہزار فٹ کی گہرائی تک پانی نہیں ہے۔عوام دولت کے بل بوتے پر پانی خرید رہے ہیں۔حکومت نل اور ٹینکر سے دور دراز سے پانی سپلائی کرنے کی کوشش کر رہی ہے لیکن پانی کے مسئلے کے مستقل حل کی شعوری کوشش نہیں ہو رہی ہے۔آیئے دیکھیں کہ قدرت میں مفت دستیاب پانی کو ہم کیسے سال بھر کے لئے محفوظ کر سکتے ہیں۔

پانی زندگی ہے، ایک ایسا عنصر جس نے کائنات میں موجود تمام سیاروں میں زمین کو منفرد مقام عطا کیا ہے۔ ہوا اور مٹی کے بعد پانی انسانی زندگی کی تیسری بنیادی ضرورت ہے اور انسانی جسم میں نظام انہضام سرانجام دینے، خوراک کے جزو بدن بننے، زہریلے مادوں کو خارج کرنے، سانس لینے، جسم کا درجہ حرارت قائم رکھنے، انسانی اعضاء کو طاقت اور آزادی دینے جیسے افعال سرانجام دیتا ہے۔ ہماری زمین ۷۱ فیصد پانی اور ۲۹ فیصد خشکی پر مشتمل ہے، جبکہ اس پانی کا ۹۷ فیصد حصہ سمندروں میں پائے جانے والے نمکین پانی اور ۲ فیصد قطبین پر برف کی صورت میں موجود ہے۔ دیگر الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ کرہ ارض پر موجود پانی کا صرف ایک فیصد پانی پینے اور آبپاشی کے مقاصد کیلئے دستیاب ہے۔اس ایک فیصد حصہ میں بھی برفانی چوٹیوں پر برف کی شکل میں، دریاؤں، تالابوں اور جھیل کی شکل میں میٹھا پانی موجود ہے۔ جو سال بھر ہر علاقے میں دستیاب نہیں رہتا۔اس لئے لوگ زیر زمین پانی پر انحصار کرتے ہیں۔ جو اکثر حالت میں کھارا ہوتا ہے۔اور صرف برتنے اور استعمال کے کام آتا ہے۔ پینے کے لئے اسے فلٹر کرنا پڑتا ہے۔ یہ پانی چونکہ اکثر علاقوں میں زیر زمین دستیاب رہتا ہے اور بورویل کی مدد سے باہر نکالا جا سکتا ہے۔اس لئے اسے گھریلو اور زرعی ضرورت کے تحت بڑے پیمانے پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ زمین کی سطح کے نیچے ایک مخصوص گہرائی پر چٹانوں کے درمیان خالی جگہوں اور سوراخ دار زمین کے حصوں میں بارش کے پانی کی نفوذ پذیری اور دریاؤں اور تالابوں کے زیر زمین راستوں کے ذریعے انسانی جسم کی رگوں میں خون کے دوران کی طرح پانی بہتا رہتا ہے۔ اور جمع ہوتا ہے۔ بوریل سے پانی کی نکاسی اور نشیبی علاقوں میں پانی کے ذخائر کے سوکھ جانے سے زیر زمین پانی ختم ہو جاتا ہے۔ چٹانوں اور زمین کے حصے میں خلا پیدا ہو جاتا ہے۔اور زمین کے کھسکنے اور زلزلے کے جھٹکوں کے اندیشے بڑھ جاتے ہیں۔اس لئے زیر زمین پانی کی سطح کے خشک ہو جانا ایک خطرے کی گھنٹی ہے۔جس کی جانب ہنگامی حالات کے طور پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

جس طرح بنی نوع انسان کو ہمیشہ سے پانی کی ضرورت رہی ہے اسی طرح جانوروں اور پودوں کی زندگی بھی پانی ہی کی مرہون منت ہے۔ ہندوستان کے بیشتر علاقوں میں شدید بارشوں کا نظام دریاؤں کی روانی میں انتہائی معاون ثابت ہوتا ہے، لیکن ہم اس پانی کو محفوظ کرنے کے بجائے سیلاب کی شکل میں ضائع کر دیتے ہیں جو ہر سال بحیرہ عرب میں جا گرتا ہے۔شہری علاقوں میں تیز بارش کے بعد یہ پانی سیورج سسٹم پر بھاری بوجھ بن جاتا ہے اور مسائل پیدا کرتا ہے جبکہ دیہی علاقوں میں نشیبی زمینوں پر کھڑا ہو کر اس کی زرخیزی پر اس وقت تک اثر انداز ہوتا رہتا ہے جب تک بخارات بن کر اڑ نہ جائے۔غور طلب امر یہ ہے کہ ہمارے شہری علاقوں کی تقریباً تمام زمین سڑکوں، مکانات، صنعتوں اور مختلف تعمیرات سے ڈھک گئی ہے، شہر کنکریٹ کے جنگل بن گئے ہیں۔ جہاں گرنے والا بارش کا پانی زیر زمین نہیں پہنچ پاتا۔ایسے میں اگر ہم چھتوں پر برسنے والے غیر آلودہ پانی کو کامیابی سے زیر زمین پہنچا دیں تو نہ صرف زیر زمین پانی کے ذخیرہ میں اضافہ کیا جا سکتا ہے بلکہ سیورج کے نظام پر کم بوجھ کی وجہ سے بوسیدہ پانی سے پیدا ہونے والی بیماریوں کا بھی ازالہ کیا جا سکتا ہے۔چھت پر برسنے والے بارش کے پانی کو زیر زمین ذخیرے تک پہنچانے کے لئے ہم پائپ کا استعمال کر سکتے ہیں۔اس مقصد کیلئے چھت پر جمع ہونے والے پانی کو صرف ایک ہی پائپ کے ذریعے گھر کے آنگن میں بنے ایک مخصوص گڑھے تک پہونچانا ہوگا۔ جس میں کوئلہ پتھر وغیرہ ہوتے ہیں تاکہ پانی آسانی سے زمین میں جذب ہو سکے۔اور بارش کا پانی سوریج سے بہہ کہ شہر کے باہر نہ جائے اور اپنے ہی علاقے کے زیر زمین پانی کی سطح میں اضافے کا باعث بنے۔اس عمل کیلئے پائپ کے بالائی حصے کو کپڑے کے فلٹر سے لپیٹ کر ریت کے باریک ذروں

سے بچایا جا سکتا ہے، جس سے پائپ بند نہیں ہونگے۔ اس طریقے سے مقامی طور پر زمین میں پانی کی نفوذ پزیری کو بہت حد تک بڑھایا جا سکتا ہے۔ شہری علاقوں میں جس طرح جگہ جگہ پارک بنائے جارہے ہیں اسی طرح چھوٹی چھوٹی جھیلیں بھی بنانے کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے تعمیرات کے دوران منصوبہ بندی کی ضرورت ہے۔ حیدرآباد میں گچی باؤلی کے راستے پر اور میاں پور کے علاقوں میں اس طرح کی چھوٹی جھیلیں ہیں۔ اس سے ان علاقوں میں زیر زمین پانی کی نفوذ پذیری بہتر ہے۔ میر عالم تالاب کے اطراف بھی یہی صورتحال ہے۔ زیر زمین پانی کی سطح میں اضافے کے یہ چند اقدامات ہیں۔ اس پروگرام پر عمل آوری کے لئے عوامی شعور کی بیداری اور حکومت کی جانب سے سخت اقدامات کی ضرورت ہے۔ آندھرا پردیش میں سابقہ حکومت نے اس جانب توجہ دلائی تھی لیکن بعد میں اس پروگرام کو روبہ عمل لایا نہیں جا سکا۔ اور اس سال موسم گرما میں زیر زمین پانی کی سطح میں کمی کے پیش نظر حکومت کے محکمہ آبرسانی اور دیگر محکموں کو توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔

ہندوستان میں 2006ء تک 12 ملین بور یل تھے۔ جن کی تعداد اب دوگنی سے زیادہ ہوگئی ہے۔ بین الاقوامی واٹر مینیجمنٹ ادارہ ہندوستانی حکام کے ساتھ مل کر ہندوستان میں زیر زمین پانی کے ریچارج کے پروگرام پر عمل کر رہا ہے۔ اس مسئلے پر تحقیق کی گئی۔ اور سخت چٹانی 65 فیصد علاقے میں پانی کے ریچارج پروگرام پر عمل آوری کے لئے 18000 کروڑ روپے صرف کئے گئے۔ اس پروگرام کے تحت نشیبی علاقوں میں چوڑے کنویں کھودے گئے اور اس پر کنکریٹ کی پٹیاں بنائی گئیں تاکہ بارش کا پانی ان گڑھوں میں جمع ہو کر زمین میں جذب ہو۔ سیلابی پانی کی تباہ کاریوں سے بچنے کیلئے یہی طریقہ کار دریاؤں کے گردونواح میں وسیع پیمانے پر اپنایا جا سکتا ہے۔ اس طرح ہم مستقبل میں پانی کی کمی سے آنے والی ان دیکھی تباہی سے بھی بچ سکتے ہیں اور پانی کو بھی محفوظ کر سکتے ہیں۔ ہندوستان کے سابق صدر اور نامور سائینس دان اے پی جے عبدالکلام نے دریاؤں کو آپس میں مربوط کرنے کی اسکیم پیش کی تھی لیکن ہمارے حکومتوں کو لوٹ مار کے اسکاموں سے نمٹنے میں اتنی فرصت کہاں کہ وہ عوامی بھلائی کی کسی اسکیم پر عمل کر سکے۔ ہندوستان میں انگریزوں کے بنائے ہوئے وسائل اور آندھرا پردیش میں نظام دور حکومت کے وسائل پر ہی اکتفا ہے۔ اور آزادی کے 65 سال بعد بھی آبپاشی اور عوام کو صاف میٹھے پانی کی آسانی سے دستیابی کی کسی اسکیم پر عمل نہیں ہو سکا۔ جب کہ امریکہ نے کہہ دیا کہ آئندہ ہونے والی عالمی جنگیں صاف میٹھے پانی کے علاقوں پر قبضے کے لئے ہونگیں۔ انسان نے جب سے فطرت کے قانون میں دخل دینا شروع کیا ہے اس وقت سے وہ اپنے پیر پر خود کلہاڑی چلا رہا ہے۔ جنگل کاٹ کر شہر بنائے جارہے ہیں۔ لیکن شہری اور دیہی علاقوں میں درخت اگانے کی مہم پر توجہ نہیں دی جارہی ہے جب کہ درخت زمین کی نمی برقرار رکھنے ماحول کے درجہ حرارت کو قابو میں رکھنے اور صاف آکسیجن کی فراہمی میں مدد دیتے ہیں۔ شہروں میں درختوں کی کمی کی وجہ سے ہر سال شہری درجہ حرارت بڑھتا ہی جارہا ہے۔ اس لئے شہری عوام یہ عہد کریں کہ جہاں وہ کثیر منزلہ عمارتیں بنا رہے ہیں۔ اور ان عمارتوں میں فائر سیفٹی آلات لگا رہے ہیں۔ وہیں کثیر منزلہ عمارتوں کے لاکھوں مکینوں کے لئے زیر زمین پانی کے تحفظ کے لئے بارش کے پانی کی اپنے ہی گھر میں نفوذ پذیری کے گڑھے بنائیں۔ صاف آکسیجن کی فراہمی کے درخت لگائیں۔ اس سے درجہ حرارت بھی کم رہے گا۔ اور مجموعی طور پر ماحول قدرتی رہے گا۔ انسان جغرافیہ کی تعلیم تو حاصل کرتا ہے لیکن وہ تعلیم سے خود فائدہ نہیں اٹھاتا۔ ایسے میں تعلیم کے حقیقی ثمرات حاصل کرنے کی بھی ضرورت ہے۔

ہمارے یہاں پانی کی دستیابی اور وسائل کی ترقی بحرانی کیفیت اختیار کرتی چلی جارہی ہے، جبکہ قدرت کی طرف سے بارشوں کی حالیہ شدت میں کچھ پوشیدہ پیغام ہیں، جنہیں سمجھنے کی ضرورت ہے، کیونکہ مستقبل میں صورتحال بالکل الٹ بھی ہو سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آنے والے برسوں میں مہینوں یا کئی سال تک بارش نہ ہو، تو ایسی صورت میں ہمیں مکمل طور پر زیر زمین پانی پر ہی گزارہ کرنا ہوگا۔ مستقبل کیلئے مناسب حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے ہماری صوبائی اور مرکزی حکومتوں کو زیر زمین پانی کی سطح کو مناسب حد تک بڑھانے پر توجہ مرکوز کرنا ہوگی۔ اس مقصد کیلئے حکومت کو چاہئے کہ وہ عوام کو زمین میں پانی کی نفوذ پزیری کیلئے مختلف ترغیبات دے تاکہ پانی سے متعلق مستقبل کے خدشات سے نمٹا جا سکے۔